اوم تت ست

سہج مارگ

کے

دس اصولوں کی شرح

مصنفہ

شری رامچندر

پریسیڈنٹ

شری رامچندر مشن شاہ جہاں پور (یو-پی)

زیر اہتمام شری رامچندر مشن پبلشنگ ڈپو۔ شاہ جہاں پور چھپ کر شائع ہوا

قیمت فی جلد
۲ روپیہ ۸ آنہ



شمرته گورو شري مهاتما رامچندرجي مهاراج (فتح گڏهه)

اوم تت ست

کہیں کیا ہے عجب راہِ طریقت ۔۔۔ نہ ہے کچھ سوز نے سازِ حقیقت
نہاں ظلمت کے پردے میں حقیقت ۔۔۔ عیاں ظلمت کے پردے میں حقیقت

روحانی معراج میسر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جو آئندہ روحانی ترقیات کے لئے ضروری تھا۔ بالآخر وصالِ آنحضرت کے بارہ سال بعد منشائے عالی کا واقعی انکشاف ہوا۔ جیسا کہ زمانۂ قدیم سے ایسی بزرگ ہستیوں کے متعلق ہوتا آیا ہے۔ اور جس کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ اِس بات کا انحصار کلیتاً اُس بزرگ ہستی پر ہی ہوتا ہے کہ ہر قسم کا تغیر حسب احکام قدرت عمل میں لاکر کاربند ہو۔ سمرتھ گورو اپنے شِشیوں میں سے کسی بہترین شِشیہ میں اپنے آپ کو منتقل کر سکتا ہے جو اُس کے جانشین کی حیثیت سے کام کرنے کے لائق ہو۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں جناب حضرت قبلہ نے اپنے ایک قابل ترین شِشیہ منشی مدن موہن لعل صاحب سے جو اس وقت شاہجہاں پور ست سنگ کے مہتمم تھے فرمایا تھا کہ "رامچندر چراغِ خاندان ہوگا۔" اس بات کا تذکرہ اس زمانہ کے مخصوص ست سنگی بھائیوں سے بھی کیا گیا تھا۔

کسی شخص کو اس طرح اپنے مانند بنانا آنحضرت جیسی بزرگ ہستی کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ آپ کے پیرو میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ آپ کو یہ قدرت حاصل تھی کہ ایک نگاہ میں ضرورتِ زمانہ کے مطابق آدمی بنا دیں۔ آپ کی وسعت کا صحیح اندازہ بجز ذات پاک کے دوسرے کو محال ہے۔ یہ نیم اور اُن کا تشریحی فلسفہ آپ کی لامحدود قدرت کا ایک

دیباچہ

دنیا کی ہر ایک سنستھا اپنا جداگانہ رنگ رکھتی ہے۔ اور خیالات کا وہی مرکز رہتا ہے۔ کوئی بڑی ہستی ہی ایسی ہر سنستھا کی بانی ہوتی ہے۔ جو کہ اسی غرض سے دنیا میں آتی ہے اور قدرت کے احکام کے مطابق کام کرتی ہے۔ اس کو مختلف طریقوں سے ترتیب دینے کے لئے بڑے بڑے مہاتماؤں کا جنم ہوتا ہے۔ جب دنیا میں اندھکار بڑھ جاتا ہے تو ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسی ہستی ضرور پیدا ہوتی ہے جو اُس تاریکی کے پردے کو ہٹا دیتی ہے

روحانیت کے میدان میں ہندو لوگ اپنا اصلی کرتویہ [कर्तव्य] بھول کر اِس سے دور ہو گئے۔ یہ چیز اُن سے چھن کر دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلیت سے بالکل غافل ہو گئے۔ اِس غرض سے قدرت کو یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ کسی ایسی ہستی مثل سمرتھ گرو مہاتما رامچندر جی (فتح گڈھ) کو جگت کے سُدھار کے لئے بھیجے۔ آپ کا جنم ۲ فروری ۱۸۷۳ء بروز بسنت پنچمی ہوا۔ روحانیت کے میدان میں اپنا پورا حق ادا کرنے کے بعد آپ نے اس جہان فانی کو خیرباد کہا۔
آپ کے بعد یہ کام آپ کے افضل ترین شاگرد مہاتما رامچندر جی شاہجہاں پوری کے سپرد ہوا۔ جن کو آنحضرت کی دوران حیات میں

اُس وقت ضرورت ہوتی ہے اُس کو اختیار ہوتا ہے کہ بلا لحاظ نتائج
جملہ باتوں کی درستی اور اصلاح کے لئے مناسب طور پر عمل کرے
اور قدرت کی روانی اُس کی مددگار رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں
قدرت اُس کو اُن طریقوں اور کاموں میں مدد دیتی ہے جو کہ اُس نے
بنی نوع کے فائدے کے لئے اختیار کئے ہیں۔ یہ قانون قدرت ہے
جو ٹل نہیں سکتا۔ ہدایتیں ہمیشہ اصل بھنڈار سے آتی ہیں۔ وہ اُن
ہدایتوں کے مطابق جو اُس پر براہ راست نازل ہوتی ہیں کام کرنے
کے لئے خود مختار ہوتا ہے۔ اب "سہج مارگ" کا بانی بھی اس طرح پر
خود مختار ہوتے ہوئے ضرورت زمانہ کے مطابق بنی نوع کی روحانی
ترقی کے لئے کاربند ہے۔ اُسی پرانی چیز کو احکام قدرت کے مطابق
نیا جامہ پہنایا گیا ہے۔ نیم مرتب کئے گئے ہیں اور اُن کی تہہ میں جو
فلسفہ ہے اُس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کے پڑھنے سے سہج مارگ
کے مُوجد کی استعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اِس کی تہہ میں جو
سائنس ہے اُس پر آج تک کسی کی نگاہ ہی نہیں گئی۔ انسان اور
ذات کے درمیانی تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اِس سے
دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں کو غور و خوض کا موقع ملے گا۔ اِس سے
دو مقصد حاصل ہوں گے۔ اول یہ کہ اِن کو روزانہ زندگی میں اختیار

کرشمہ ہے۔ یہ روحانی فلسفہ اُن لوگوں کو حیرت میں ڈالے گا جو اِسکا مطالعہ بغور فرمائیں گے اور اُس کو سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہوں گے۔

لوگ مہاتما رامچندر جی شاہجہاں پوری کی استعداد کا اندازہ اُن لہروں کی روانی سے لگا سکتے ہیں جو کہ آپ کے دل سے رواں ہوئی ہیں۔ انسانی زندگی کی عقدہ کشائی کے لئے آپ نے سہج مارگ رائج کیا۔ اس نام کا انکشاف آپ پر عالم بالا سے ہوا ہے۔ لوگ اسے یاد رکھیں یا نہ کریں مگر قدرت کی روانی اسی رُخ پر ہے۔ اِس مسئلہ پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے جیسا کہ عموماً ہوتا چلا آیا ہے۔ بزرگانِ سلف کی زندگی میں ایسے واقعات عام طور پر پیش آئے ہیں جبکہ لوگوں نے اُن کو ہر طرح سے بُرا بھلا کہا ہے۔ سری کرشن جی مہاراج اور دوسرے بزرگان سلف اس کی مثالیں ہیں۔ ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ عموماً کسی بڑی ہستی کی قدرت کا اندازہ کئے بغیر نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں جس کا تجربہ صرف عملی طور پر ہی ہو سکتا ہے۔ آزادی طبع جو اُس کو قدرت سے ملتی ہے اُس بزرگ ہستی کی توجہ ان طریقوں کی طرف مبذول کر دیتی ہے جو کہ عوام کی بہبودی کے لئے ہوں۔ اُس کو ضروری طاقت قدرت سے ملتی ہے جو اُس سے کچھ بھی اُٹھا نہیں رکھتی۔ وہ قدرت کی مرضی کے مطابق ایسے طریقے عمل میں لاتا ہے جن کی روحانی ترقی کے لئے

قصیدہ بہ یادگار سمرتھ گورو شری مہاتما رامچندر جی مہاراج فتح گڑھ

آفتابِ معرفت ۔ اے نکتہ دانِ معرفت
رہنمائے سالکاں اے جسم و جانِ معرفت

تیری ہر طرزِ رہائش میں تھی شانِ معرفت
ہر ادا میں تھا تری نورِ جہانِ معرفت

ہو چکا گو وصل پھر بھی ہے سمادھی پر وہ نور
ذرہ ذرہ میں ہے اب بھی آن بانِ معرفت

ہر طرف دیکھا جو تو نے مطلعِ ظلمت مآب
تو نے بدلی سرزمین و آسمانِ معرفت

بن کے موجد اک سہج سے مارگ کی ڈالی بنا
اک نئی بنیاد پر رکھا مکانِ معرفت

جنبشِ ابرو میں تھی کیا جانئے کیا کیا آب و تاب
جگمگا اُٹھا تھا جس سے آسمانِ معرفت

پھونک دی وہ روح جسکا فیض ہے اب تک رواں
ہر طرف پھولا پھلا ہے گلستانِ معرفت

ہر تکلم میں تھیں تیری پریم کی موجیں رواں
ہر اشارے میں نہاں تھی داستانِ معرفت

دیدنی تھا صبر و استقلال کا حُسنِ کمال
تجھ پہ تھے سو جاں سے قرباں شائقانِ معرفت

سچ ہوا جو کچھ کہا تھا تو نے بر وقتِ وصال
جاگ اُٹھیگا خود ہی بختِ خفتگانِ معرفت

"میرے پروانوں کی خاطر شمع جل اُٹھے گی خود
خود بخود دوڑینگے اُس پر طالبانِ معرفت"

آج ہے فضل و کرم سے تیرے وہ روشن چراغ
روشنی پاتے ہیں جس سے عاشقانِ معرفت

چشمِ حق بیں دیکھ لے بسملؔ نگاہِ شوق سے
پھولتا پھلتا ہے کیسا بوستانِ معرفت

از قلم مدن موہن لعل سریواستو وکیل بدایوں
یکے از خادمان جناب حضرت قبلہ ممدوح

کرنے سے انسان واقعی انسان بن سکتا ہے۔ دوم یہ کہ جو روحانی فلسفہ کے عالم بننا چاہتے ہیں وہ اس کو پڑھ کر لذّت دماغی حاصل کر سکتے ہیں مگر صرف اِس کا عملی پہلو ہی انسان کا مستقبل بنا سکتا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ متلاشی خود اُس روحانی محقّق کی صحبت سے باریاب ہو۔ اس کتاب کی فلاسفی پر اگر کافی غور کیا جائے تو تحیّر کا عالم پیش نظر ہوگا۔

میں پڑھنے والوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اس کا مشاہدہ اندرونی آنکھوں سے کریں۔ اس طرح چشم حقیقت کھُل جائے گی۔ قدرت کے راز یوگیوں کے دلوں میں مخفی ہیں۔ ان کے دلوں کا مطالعہ کر کے روحانی سائنس سے قربت حاصل کیجئے۔ یہ صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ کوئی شخص اُس یوگی کی ہدایتوں کے مطابق عملی پہلو اختیار کرے۔ عموماً لوگ اِس چیز کو بہت ہی پیچیدہ خیال کرتے ہیں مگر یہ صرف ایک پردہ ہے جو درمیان میں حائل رہتا ہے۔ آسان چیز حاصل کرنے کے لئے آسان طریقہ ہی عمل میں لاؤ۔ کتاب کا ہر جملہ نہایت ہی پُر معنی ہے۔ مطالعہ سرور دماغی بخشے گا اور عمل احساس باطنی۔

کرونا شنکر۔ لور یثور ر

ضلع پیلی بھیت



شري رامچند (شاهجهانڻو)

پريسيڊنٽ

التماس

میں نے اُن روحانی رازوں کو جو ابتک سینہ بہ سینہ چلے آتے تھے الفاظ میں باندھ کر کتاب کی شکل میں لانے کی کوشش کی ہے۔ مگر چونکہ یہ معاملات انبھو سے تعلق رکھتے ہیں جو نیچر کے مطالعہ پر منحصر ہیں اور جنکا انکشاف بذریعہ (Vibration) ہوتا ہے۔ لہٰذا اِن کا اظہار الفاظ میں نہ صرف مشکل بلکہ بسا اوقات غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

محبت معنی و الفاظ میں لائی نہیں جاتی
یہی ایسی حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

اس لحاظ سے مناسب ہے کہ الفاظ کی ترتیب اور عبارت کی بندش کی خامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے شائقین اصل مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں اور اُس سے خود مستفیض ہو کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے کوشاں ہوں ۔

مصنّف

مورخہ ۸ ر دسمبر ۱۹۴۶ء

اصول نمبر ۱

صبح سورج نکلنے سے پہلے ہر ایک بھائی اُٹھے اور سندھیا
اوپاسنا حتی الوسع سورج نکلنے سے پہلے مقررہ وقت پر ختم
کردے۔ پوجا کے لئے ایک علیحدہ جگہ اور آسن مقرر کرلے۔
جہاں تک ہو سکے ایک ہی آسن سے بیٹھنے کی عادت ڈالے۔
جسمانی اور مانسک پاکیزگی کا خاص دھیان رکھے۔

قدرت کی آگ جو روز ازل سے جلی ہے اب تک ٹھنڈی نہیں ہوئی۔
جب سرشٹی کی پیدائش کا وقت آیا خیال نے حرکت کی۔ اجزا میں گرمی
پیدا ہوگئی۔ گویا پہلا غلاف روز ازل سے چڑھ گیا۔ اِس آنچ نے ذرّات
کو گرم کرکرکے حرکت دینا شروع کردی۔ یہ حدت بڑھتی ہی گئی۔ غلاف
در غلاف چڑھتے ہی گئے۔ ٹھوستا بڑھتی ہی گئی۔ تنزل پیدا ہی ہوتا گیا۔
سب نے اپنا اپنا فعل شروع کردیا۔ اور پھر اُس میں بھی فعل
ہوا ہی کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اپنے اوپر دوسرے الفاظ میں
ریشم کے کیڑے کی طرح غلاف بنالیا۔ انڈے کی سفیدی جھلکنے لگی۔
اصلیت اندر چھپ گئی۔ جذبہ پیدا ہوتا گیا۔ اب جس کو اُس سے زیادہ

وقت ہوتا ہے اور گرمی ختم ہوتے ہی ٹھنڈے اثرات آنے لگتے ہیں۔
اِن دونوں کے میل کو سندھ گتی सन्धिगती کہتے ہیں۔
مہاتماؤں نے اِس سَندھ گتی میں پوجا اور اپاسنا کرنا فرض رکھا
ہے۔ اِس وقت اُس چیز کے آنے کا وقت ہوتا ہے جو گرمی سے
مختلف ہے اور وہ چیز کیا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ وہی چیز ہو سکتی ہے
جو ازل میں گرمی کے پیدا ہونے سے پہلے تھی۔ سمجھئے تو سہی کیسا
اچھا وقت قدرت سے مطابقت رکھتا ہوا سوچ سمجھ کر مقرر کیا گیا ہے۔
یعنی یہ وہ وقت ہے جو کہ اُس حالت سے ملتا جُلتا ہے یا یوں کہو کہ
اِس حالت کی ٹھوس اوستھا ہے جس پر کہ ہم کو پہنچنا ہے۔ ایک بات اور
کہوں گا یہ بات اصل کی نقل ہے گویا یہ نقطہ ہے جس سے ہم کو آگے
بڑھنے کا موقع ملے گا۔ اور یہ نقطہ کیسا اچھا فرض کیا گیا ہے جو اس حالت
سے مِلتا جُلتا ہے جس پر ہم کو پہنچنا ہے۔
تَم کی سندھیا پر بھی زور ضرور دیا گیا ہے۔ مگر اس طاقت
کا استعمال دوسرے طریقہ میں کیا گیا ہے۔ آفتاب کی شعاعیں اُس وقت
براہ راست ہوتی ہیں اور گرمی زیادہ پیدا کرتی ہیں۔ یہ گرمی بھی
اُس میں چپکی ہوتی ہے اور اُسی سے آئی ہے جو ہر چیز کا منبع ہے۔
اب ہم اصل طاقت سے جو گرمی دوارہ (ذریعہ) اس وقت موجود

لگاؤ یا محبت تھی اُس کے حصہ میں یہ چیز زیادہ آئی اور وہی گرمی جو روز ازل میں تھی انسان میں نمودار ہوئی۔ یہ گرمی کتنی آہستہ آہستہ بڑھی اور پک پکا کر نمود کی شکل بن گئی۔ ہر ذرہ پر اُس کا اثر پڑا اور اُسنے اُس میں حصہ لیا۔ یہ چیز زمینی تھی جو اُس میں شامل ہوگئی۔ یہ ہمیشہ اُس چیز کے تابع رہی جس کا حصہ اس میں شامل ہے۔ یادہ بڑی تہہ جو گرمی سے بن چکی ہے وہ اپنی نسبت اُس سے زیادہ رکھے گی۔ اب جو اثرات اس بڑی چیز پر پڑیں گے اُس کا عکس چھوٹی چیز میں نمودار ہوگا۔ اگر خارجی اثر بڑی چیز پر پڑتا ہے تو جسامت کے لحاظ سے اس چھوٹی چیز پر بھی پڑے گا۔ اِن چیزوں پر اثرات بیرونی بھی ہوا کرتے ہیں۔ شعاعوں کا اثر چھوٹی بڑی سب چیزوں پر ہوتا ہے۔ دونوں کے کام بلحاظ جسامت قریب قریب ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ گرمی جو خارجی اثرات سے پیدا ہو جاتی ہے وہ نکلنا بھی شروع ہو جاتی ہے اور چین اُس وقت ملتا ہے جب یہ گرمی شانت ہو جاتی ہے۔ اسکی مثال موسم گرما ہو سکتی ہے۔ یہ خارجی اثرات جن کو بلحاظ جسامت ہٹنے میں وقت لگتا ہے۔ اگر دور ہوگئے تو کچھ چین و سکون ضرور آجاتا ہے۔ اب یہ سمجھے مہاتماؤں نے اُس وقت مانا ہے جب کہ خارجی اثرات اُس پر سے ہٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ گرمی کے خاتمہ کا

اسی طرح نسانی زندگی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بھی ہم کو وہ اصل چیز پہلے فرض کرلینا پڑتی ہے خواہ اُس کی شکل ہمارے خیال میں کتنی ہی دھندلی کیوں نہ آئے کیونکہ کسی چیز کی انتہائی حالت پر پہنچنے پر اُس کی پیچھے والی چیز کا بودھ نہیں رہتا۔ اس لئے اس انتہائی حدّت سے ہم نے اپنا کام نکالا ہے۔ اور چونکہ ذرّات کی یعنی مادّی گرمی بھی اس وقت زیادہ ہوتی ہے اس لئے دوپہر کی سندھیا کی پابندی ہم اپنے یہاں لازمی قرار نہیں دیتے۔

دوپہر کی سندھیا ختم ہوتے ہوتے پھر شام کا وقت آجاتا ہے۔ اُس وقت تک گرمی کسی حد تک شانت ہوچکی تھی گویا اس ٹھنڈ کے آپ قریب ہوچکے تھے۔ اب جتنا وقت گذرتا گیا ٹھنڈ کے قریب ہوتے چلے گئے۔ آخر کو وہ نقطہ آگیا کہ جب ہم اُس کے قریب تر ہوگئے اور یہ صبح کا وقت تھا۔ اس وقت آفتاب کی گرمی کسی طرح سے اپنا دخل نہیں کئے ہوئے تھی۔ یہ سائنس کا مسئلہ ہے اور اسی لحاظ سے ان وقتوں کی تقسیم بلحاظ گرمی سردی کے ہوتی ہے۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ست सत اور تم तम کے سمے ترکال سندھیا مقرر کی گئی رج रज کے وقت کیوں نہیں کی گئی۔ غالباً آپ تناسب کے مسئلہ اُلٹ پھیر Inverteudo

ہوتی ہے چپک جاتے ہیں۔ گویا اُس طاقت سے ہم قریب، ہوجاتے ہیں اور یہ بات اُس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اِس گرمی کے شانت ہونے کا وقت آجاتا ہے۔ گویا ہم نے اُس سے بھی فائدہ اُٹھایا اور اس طریقہ سے ہم اس کے قریب تر ہو گئے۔ اب وہ وقت آرہا ہے کہ ہم اُس کے قریب تر پہنچ کر رفتہ رفتہ اُس حالت کا مزہ چکھیں گے جو اُس سے کچھ ہٹ کر ہے۔ ہم قریب تر ہوگئے اور اب قریب ترین حالت میں جارہے ہیں جو وقت اِس کے بعد آرہا ہے۔ اِس عمل نے ہم کو اس میں پہنچنے میں مدد دی۔ اسلئے مہاتماؤں نے دوپہر کی سندھیا بھی بتلائی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آفتاب کی شعاعیں اثر ڈالتے ڈالتے اپنا سلسلہ اُس حصہ سے قائم کرلیتی ہیں جس جگہ سے کہ شعاعیں آرہی ہیں اور جو اس کے بعد والی حالت ہے۔ یہ شعاعیں چونکہ دوپہر کو سیدھی پڑتی ہیں لہٰذا قریب ترین ہونے کی وجہ سے وہ اثر بھی اُن کے دوارہ سیدھا آتا ہے۔ گرمی جو آفتاب سے آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ واقعی ذرّات کی گرمی ہے۔ اب اگر ہم دوپہر کو بیٹھ کر خیال باندھیں تو نادانستہ طور پر ہمارا خیال مرکز یا اصل مقصود کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ اِس کو یوں سمجھئے کہ اکثر کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ہم جواب پہلے فرض کر لیتے ہیں۔

کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے بڑے بڑے فقرار اس نظارہ سے جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے پیچھے رہے۔ نفی کی حالت جس کے آپ متلاشی ہیں اور جو واقعی زندگی ہے اسی میں ہے اور جملہ حرکات اس نقطہ پر پہنچنے سے پیشتر ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ قدرت کا راز ہے جو میں آج کھول رہا ہوں۔ ایشور یا ذات کی کیفیت کا محور کلیتاً یہی نقطہ ہے۔ لوگوں نے مدتوں جستجو کی اور ڈھونڈھتے رہے مگر ہمیشہ اس اصل کیفیت سے پیچھے ہی رہے۔ یہاں ادراک کا گذر نہیں۔ لوگ تَم तम کی اِس کیفیت کو اپنا جانی دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن کیا آپ نے کبھی کسی ایسے سیدھے سادے شخص کو دیکھا ہے جس کی نسبت اس جہالت سے ہو اور جس میں یہ کیفیت پورے طور سے موجود ہو۔ اُس کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ جب کہ وہ ترقی کرتے کرتے اس حالت پر جس کو کمال کہتے ہیں پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ اپنی حالت کا اظہار نہیں کرسکتا۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے کہ ایک ناسمجھ بچہ اپنی کیفیت خود بیان نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر کہیں سَت सत کا ہلکا چھینٹا اس میں دیدیا جائے تو اُس کو اپنی تَم तम کی کیفیت کا انداز ہونے لگے گا۔ ایسا کیوں ہے۔ اس لئے کہ دونوں کے ملنے کا جو نقطہ ہے وہ ایک نئی چیز پیدا کردیتا ہے جو وہی ہے جو پیدائش عالم کی بنیاد

سے واقف ہوں گے۔ دونوں سرے یعنی ابتدا اور انتہا لئے گئے ہیں۔ ابتدا ست सत है اور انتہا تَم तम ۔اس کو اُلٹ دو۔ انتہا ابتدا ہو جائے گی اور ابتدا انتہا۔ درمیانی چیز کچھ بھی نہیں ہے بجز ایک فرضی لکیر کے جو دونوں سروں کو ملاتی ہے۔

آج میں وہ فلسفہ کھول رہا ہوں جس سے کہ لوگ کم آشنا ہیں۔ عام طور پر لوگ سَت सत ہی کو اصل تصور کرتے ہیں۔اور ایشور کو جاننے کا یہی پیمانہ بنا رکھا ہے لیکن اُس کے پس پشت جو راز ہے اُسے نہیں جانتے۔ وہ خاص چیز جو اس کے تہ میں ہے اُن پر ابتک منکشف نہیں ہوئی۔ یہ سب تَم तम اور صرف تَم तम ہی کی کیفیات ہیں۔یوگیوں کو حاصل کرنے کے لئے یہی خاص چیز ہے۔ اس نقطہ تک پہنچنا بہت دشوار ہے۔سَت सत کا حاصل کرنا نہایت آسان ہے لیکن وہ حالت جس کو میں نے تَم तम کے نام سے موسوم کیا ہے اتنی جلدی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسکے بعد کچھ نہیں ہے۔عموماً لوگ باتیں تو بہت کرتے ہیں مگر چیزوں کی تہ تک کوئی نہیں جاتا۔ صفائی۔سادگی۔اور سکون بھی اس کے پیچھے نہیں ہیں یعنی وہ ان سب سے پرے ہے۔یہی وہ چیز ہے جو آپ کو برسوں کی محنت اور بے شمار جنموں کے بعد حاصل ہوتی ہے۔میں دعویٰ کے ساتھ

حقیقت اس کے بعد ہے۔

لوگوں کو یہ باتیں جان کر واقعی تعجب ہوگا۔ مگر میں نے یہ مضمون اُن لوگوں کے لئے لکھا ہے جو روحانیت میں بخوبی ترقی کئے ہوئے ہیں اور اِس سائنس سے اچھی طرح واقف ہیں جس کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس کو صرف انبھو अनुभव یا کشف ہی بتا سکتا ہے۔ یہ چیز مذہبی قیود میں پائی نہیں جاتی۔ اس کا راستہ جُداگانہ ہے۔ یہ علم بذات خود ایک سائنس ہے اور جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو اس قابل نہ بنالے کہ قدرت کا مشاہدہ اپنی اندرونی آنکھ سے کرے تب تک اس کا اہل نہیں ہوسکتا۔ اور اُس وقت تک اُس کی رسائی اُس کے آستاں تک بھی نہیں ہوسکتی سمجھنا تو درکنار۔ مذہب آپ کو صرف اس کے سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے کہ قدرت میں مشاہدہ کے لئے کچھ اور بھی ہے لیکن جواہرات چُننے کے لئے آپ کو خود اندر گھسنا پڑے گا۔ دراصل حقیقت کی سادگی، صفائی اور معصومیت ہی خود اُس کا نقاب بن گئی ہے۔ یہ کتاب علم روحانی کے مبتدی کے لئے نہیں لکھی گئی ہے بلکہ منتہی کے لئے جو کہ دریاء معرفت میں کافی تیر چکا ہو۔

سورج نکلنے کے پہلے سندھیا کا سماپت کرنا یوں کہا گیا ہے کہ وہ

ہے۔ اب پھر وہی مسئلہ اُلٹ پھیر Invertendo کا آجاتا ہے جیسا کہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں ۔

صانع حقیقی کی تیسری کیفیت قدرت کا آرائشی نظارہ ہے۔ لوگ درحقیقت اسی میں مصروف رہتے ہیں اور طبیعت کو ادھر اُدھر بھٹکا کر خواہشات کا انبار جمع کرتے رہتے ہیں۔ آپ کی نظر سب سے پہلے چمکیلی چیز پر پڑتی ہے جس کو کہ آپ ست सत कہتے ہیں۔ یہ چمکیلی چیز سوائے مایا کے اور کچھ نہیں ہے۔ لوگ اسی کے بارہ میں بڑھ بڑھ کر باتیں مارتے ہیں جو کہ درحقیقت ابھی اصلیت اور روحانیت کے دائرہ سے کوسوں دور ہے۔ لوگوں نے اپنی ایسی گنگ اوستھا بنائی ہے کہ نہ وہ اس کو سُننا چاہتے ہیں اور نہ اس کے احساس کی کوشش کرتے ہیں انھوں نے وہ اصل چیز جس کے آگے نہ روشنی ہے اور نہ اندھیرا گم کردی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو میں نے اپنے مشن کے نشان Emblem میں دکھائی ہے۔ انسانی عروج کی اصل کیفیت یہی ہے۔ اور یہاں سے نیچے گراد کا امکان باقی نہیں رہتا۔ فلسفہ بہت دقیق ہے مہاتماؤں نے اس حالت کو جہاں پر نہ روشنی ہے نہ اندھیرا ستیہ پد सत्यपद کے نام سے موسوم کیا ہے۔ لیکن اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ وہ چیز اس سے بھی آگے ہے۔ یہ محض اس اصل کا پرتو یا عکس ہے۔ واقعی

مقام پر پوترتا کا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ جگہ وہی اثرات لے لیتی ہے اس لئے ہم کو اُس کام میں مدد ملتی ہے۔ اِس کا یعنی پوترتا کا اثر اُس جگہ پر ہی محیط نہیں رہتا بلکہ پھیلنے لگتا ہے۔ اب یہ اپنی قوت پر ہے کہ جس قدر اُس کو پھیلا سکے۔ دیکھا گیا ہے اور عبادت گاہ شاہد ہیں کہ برسیں گذر گئیں اُس کا اثر اکثر مقامات پر اب تک ختم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ جانے والے اور زیارت کرنے والے بھی موثر ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہوا کا گذر چونکہ ہوتا رہتا ہے وہ اُس کی مہک اپنے میں شامل کرتی رہتی ہے اور اُن تہوں کو پہنچاتی رہتی ہے جو اُس سے وابستہ ہیں اور ہر تہ میں بڑھاؤ اور سمٹاؤ ہوتا رہتا ہے۔ اس ترکیب سے وہ چیز جو اندر داخل ہوئی ہے بڑھتی رہتی ہے اور اپنا اثر پھیلاتی رہتی ہے۔

اب سنئے آسن کے بارے میں۔ یہ یوگ کے انگوں میں سے ایک انگ ہے۔ مہاتماؤں نے اس پر بہت زور دیا ہے اور یہ پہلی سیڑھی یوگ کی ہے۔ اس کی تہہ میں جو راز ہے آج تک ظاہر نہیں کیا گیا۔ سمے پر ہر بات کھلتی ہے۔ وقت پر ہر چیز پر روشنی پہنچتی ہے۔ پیدائش عالم سے پہلے ہر چیز قریب قریب ساکن حالت میں تھی اور اپنے اصل میں شامل ہو چکی تھی۔ باوجودیکہ یہ چیزیں اپنے اصل میں شامل

گرمی جو جسم سے رخصت ہو چکی ہے یا وہ خارجی اثرات جو ضائع ہو چکے ہیں دھوپ کے اثر سے پھر نہ پیدا ہو جائیں اور وقت سے ہم اتنا اچھا فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ مہاتماؤں نے اس بات پر زور دیا ہے اور مغربی تہذیب نے بھی اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ہر کام کے لئے ایک خاص جگہ مقرر ہونا چاہئے۔ تاکہ وہاں پر پہنچنے سے وہی خیالات دَورہ کرنے لگیں جو اُس کام کے لئے مخصوص ہیں۔ طاقت انسان میں ہے اور وہ طاقت اُس کو خیالی اُبھاؤ سے جس کا تعلق اصل چیز سے ہے ملی ہے۔ جب ہم کسی کام کے کرنے کی نیت باندھتے ہیں۔ تو وہ رسّی۔ لگاؤ یا تناؤ جو اِن دونوں چیزوں کے درمیان میں ہے۔ گہرا سمبندھ قائم کر لیتا ہے۔ گویا ہم اپنے خیال کے مطابق اصل سے طاقت گھسیٹنے لگتے ہیں۔ جب طاقت گھسٹتی ہے اور ہم اس کو کسی خاص وقت سے نسبت دیکر مزاولت کر لیتے ہیں۔ تو اس وقت اپنے کاموں کی یاد آجاتی ہے۔ اس لئے اگر ہم سندھیا کے لئے ایک وقت مقرر کرتے ہیں تو ہمارا خیال اُس طرف سیدھا ہونے لگتا ہے۔ اور ہم کسی نہ کسی شکل میں اس کی یاد میں خود بخود مشغول ہو جاتے ہیں۔ جو کمرہ یا جگہ ہم نے اس کام کے لئے مقرر کی ہے۔ اس میں بیٹھ کر ہم سندھیا کرتے ہیں اور اپنے خیال کی بجلی بہت کچھ اُس میں گرا دیتے ہیں جس سے اُس

اب یہ وقت کیوں آگیا۔ کیا ضرورت تھی۔ کیا وجہ تھی۔ انھیں مخفی حرکتوں
نے جو محض طاقت ہی طاقت تھیں نکلنے کے لئے شگاف بنا دیے اور
از سرِ نَو وہ طاقت رواں ہونے لگی۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی
کہ اُن کی ترتیب نے پھر ترتیب کائنات شروع کر دی۔ انسان بننے لگا۔
اُس کو اپنے اصل میں پہنچنے کی جُستجو ہونے لگی۔ اور یہ بات اُس میں یوں
پیدا ہوئی کہ وہ جوہر جس کا جزو اُس میں موجود تھا بوجہ طاقتور ہونیکے
اُس کو اپنی طرف کشش کرنے لگا اور وہ چیز جو متحرک ہو کر ظہورِ ترتیب
کا باعث ہوئی ہے۔ انسان میں بھی آئی اور یہ چیز ساکت حالت کے خلاف
تھی کیونکہ اس کی بنا حرکت تھی۔ اب اس ساکت حالت میں جانے
کا خیال پیدا ہوا۔ لازم آیا کہ جو حرکت کہ انسان میں پیدا ہو چکی ہے۔
اُس کو جہاں تک ہو سکے مخفی حالت میں لانا چاہیئے۔ اس کے لئے
ترکیبیں ڈھونڈنے لگا۔ سمجھ میں آگیا کہ جیسی مخفی حرکت ایک طریقہ سے
بمقابلہ ذات کے ٹھوستا کی حالت میں تھی جس کا لگاؤ اپنے اصل سے
تھا۔ اسی طریقہ سے ہم کو کوئی بات ٹھوستا کی لینا چاہیے تاکہ ہم اُس
اُدیش پر جو کیفیت ذات اور اصل کی ہے پہنچ سکیں۔ یہ خیال آتے ہی
سمجھ میں آیا کہ کچھ سمٹاؤ کی صورت اپنے میں پیدا کرنا چاہیئے۔ اُسی طریقہ سے
جیسے کہ پرلے کے وقت ہوئی تھی۔ انسان میں ذات اِس طریقہ سے سرایت

ہو چکی تھیں اور اپنی حالت قریب قریب کھو چکی تھیں پھر بھی اُن کے اثرات باقی رہ گئے تھے۔ جو اس وجہ سے کہ اصلیت کا پرتو اُن پر کافی دیر تک رہ چکا تھا اور اُس وقت تک رہا جب تک کہ پردے نہیں ہو گئے موجود رہے اور اُس وقت تک یعنی کائنات کے پھیلاؤ اور قیام کے وقت تک موجود رہے۔ اس بات کا اندازہ خیال نہیں لگا سکتا کہ یہ چیزیں کتنے عرصہ تک اصل کے پرتو کے زیر اثر رہیں۔ یہ کم سے کم اُس عرصہ تک ضرور رہا ہوگا جتنے عرصہ تک برابر اصل چیز کا انھوں نے اثر لیا ہے۔ خیال فرمائیے کتنے عرصہ تک برابر یہ اشیاء جو ظہور ترتیب میں مددگار ہوئیں ہیں اثر لیتے رہے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے اپنی ٹھوستا کھو دی تھی مگر اثر ضرور تھا اور وہ معہ اُس اثر کے اُس میں شامل ہو گئیں۔ اثر کیا تھا جو انھوں نے لیا۔ وہ حرکت تھی جو بڑی طاقت کے جھٹکوں سے اُس میں پیدا ہوئی۔ یہ چیز وہاں پر رہ کر اثر سے پُر ہونیکے باعث دھیمے دھیمے حرکت کرتی رہی۔ اس کُل طاقت میں قدرت سے کسی نہ کسی شکل میں وہ تحریک جو دکھائی نہیں پڑتی بلکہ مشکل سے احساس میں آتی ہے قائم رہی۔ گویا کھچڑی پکتی رہی اور یہ بات مدت مدید تک جاری رہی۔ اس کو ذات میں مخفی حرکت ہونا کہا گیا ہے۔ یہ بات متواتر جاری رہی حتیٰ کہ پھر پیدائش عالم کا وقت آگیا۔

حاصل کرنے کے لئے جو بات کہ اُس نے شروع میں لی تھی اُس کا تعلق اُس بڑی چیز سے گویا اُس نے کرلیا۔ لہٰذا یہی چیز جس کا تعلق اصل چیز سے پیدا کیا ہے زیادہ مددگار ہوگی۔ دوسرے معنوں میں یہاں پر ابتدائی سنسکار (Initiation) کا مسئلہ بھی سدھ ہوتا ہے۔

ایک آسن پر سیدھے بیٹھ کر سندھیا کرنا اس وجہ سے اور بھی زمانہ قدیم سے اصولاً بہتر مانا گیا ہے کہ ذات کی دھاریں جو اُس وقت جگیا سو کو فیض پہنچاتی ہیں سیدھی گرتی ہیں اور انھیں دھاروں میں مکمل فیض کی قوت ہوتی ہے۔ اگر جگیا سو ترچھا بیٹھے یا بار بار اپنا آسن بدلے تو لازمی ہے کہ اُن سیدھی دھاروں اور اُن کے اصل فیض میں گڑبڑی پیدا ہوجائے اور سندھیا کا جو واقعی جذب اور لطف جگیا سو کو ایک آسن پر سیدھے بیٹھنے میں مل سکتا تھا اُس کو میسر نہ ہوسکے روحانی فیض کو قاعدے سے حاصل کرنے کے لئے ہم کو بھی قاعدہ میں بیٹھنا چاہیئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ اصل فیض سے ہم محروم رہیں۔ ممکن ہے کہ لوگوں کا خیال ایسا بھی ہو کہ سیدھے آسن پر بیٹھکر دھیان کرنے میں کچھ جھلک اہنکار کی رہتی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ اصولاً بندہ کو مالک کُل کے سامنے اس طرح رہنا چاہیئے جیسے کہ ایک سپاہی عام طور پر اپنے افسر کے سامنے پریڈ پر دیکھنے میں آتا ہے۔ افسر کے آتے ہی اٹینشن

کئے ہوئے ہے جیسے وہ کیفیت جو کُل منڈل [اگر کُل منڈل کو ایک افرادی شکل مان لیا جائے] میں پائی جاتی ہے۔ وہی انسان میں ملے گی۔ اس مثال میں جسکو افرادی شکل میں کہا ہے سمٹاؤ کی شکل پیدا ہو جانے سے پرلے کا سماں برپا ہو جاتا ہے۔ اب اگر انسان اپنے سمٹاؤ کی صورت پیدا کرے تو اُس کی پرلے کا آغاز ہو جاتا ہے یعنی ٹھوستا کی حالت سے وہ اصل میں جست لگانا شروع کر دیتا ہے۔ اب انسان کے لئے سمٹاؤ کی شکل کیا ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اپنے پھیلاؤ کی شکل کو جو جسم دوارہ ہے سمیٹ لے جس طرح سے بھی کہ سمٹ سکے۔ سمٹاؤ ہمیشہ نیچے سے شروع ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اوپر کو بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اُس کو اوپر کی طرف جانا ہے۔ پس اُس طرف پہنچنے کے لئے انسان اپنا سمٹاؤ نیچے سے شروع کرے تو اُس کی شکل یہی ہو جائیگی۔ کہ پیر اور اسکے قریب کا حصہ ایک حالت میں لے آنا پڑے گا اور اُسکو ساکت رکھنا ہوگا اس کو وہ کسی طریقہ میں کر لیوے آخر شکل اس کی آسن کی ہو جائے گی۔ یہ چیز لازمی ہے اِس لئے کہ اِس نے ذات میں پہنچنے کا راستہ بنا دیا ہے۔ اور یہ ایک ہی طریقہ کا برابر رہنا چاہئے۔ اب یہ سوال ہے کہ ایک ہی آسن سے بیٹھنا کیوں ضروری ہے۔ بات یہ ہے کہ جس وقت اِسکا ارادہ ذات میں جانے کا ہوا تو اِس مخصوص چیز کے

یہ نوبت آئی کہ اُس میں بھی شدھتا دوڑنے لگی۔ یہ بات ہماری متواتر عرصہ تک جاری رہی اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے نقطۂ نگاہ میں وہ معیار بھی قائم رہا جس نے اُس پاکیزگی کو دوبالا کر دیا۔ ایک تو ہمارے کرم من کی شدھی کے لئے راغب تھے۔ دوسرے اس مقصد نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اب کیا تھا پوترتا دوڑنے لگی۔ من شدھ ہونے لگا۔ خیالات اچھے پیدا ہونے لگے۔ اور یہ سب ہمارے اصل مقصد حاصل کرنے میں مددگار ہوئے۔ ہم کو دونوں طرف سے فائدہ پہنچا۔ باطنی دوڑ ہم لگا چکے تھے۔ ظاہری دوڑ سے بھی ہم کو اس کام میں مدد ملی۔ گویا دونوں چیزیں مقصد کے حاصل کرنے میں مددگار ہوئیں۔ جب اِن دونوں چیزوں نے ایک دوسرے سے ہم آہنگی حاصل کر لی تو کیا ہوا کہ یہ سب مل ملا کر بذات خود ایک طاقت بن گئی۔ اُس طاقت نے ہمارا راستہ اور بھی سیدھا کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ دونوں بازوؤں سے ہم پر پھیلا کر اُڑنے لگے اور ہر چیز شدّھ ہونے لگی۔ دیکھئے اِس پوترتا نے ہم کو مقصد حاصل کرنے میں کتنی مدد دی۔

ہم نے اپنے نیموں میں سندھیا اور اُپاسنا کا سب سے اول نیم رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسا کرنے سے اُس طاقت کو حاصل کر رہے ہیں جس پر کہ ہم کو قدرتاً کسی وقت آنا ہے۔ اس کے متعلق ایک

کی آواز دی جاتی ہے۔ اُس وقت سپاہی کا فرض (Attention) ہوتا ہے کہ سارے جسم کو سیدھا ایک حالت میں رکھے اور برابر اپنے افسر کی جانب یکسوئی سے دیکھتا رہے۔ اِس سے جسم کی پھُرتی۔ صحت اور تازگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایشور کے سامنے بیٹھنے میں بھی بندہ کا یہی فرض ہے۔

پوترتا کا مسئلہ خاص کر ہندوؤں میں بہت اعلیٰ پیمانہ پر رکھا گیا ہے۔ اس کی بگڑی ہوئی شکل اب یہ ہو گئی ہے کہ صرف خیال ہی خیال باقی رہ گیا ہے۔ قواعد سب بھول گئے۔ صرف نہانا یاد رہ گیا۔ اِس کی بنیاد اِس طرح پر پڑی کہ لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ وہ پاک اور لازوال ہستی جس میں ہم کو جانا ہے ہر چیز سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ اُس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی ہے۔ گویا ہم نے اپنا پاکیزگی کا معیار قائم کر لیا۔ وہ پاکیزگی کیسی جو مَل (मल) وکشیپ (विक्षेप) اور آورن (आवरण) سے پاک ہے۔ ہماری ہستی میں یہ تینوں باتیں موجود ہیں۔ جہاں پر پاکیزگی ہو گی وہ چیز اِن تینوں چیزوں سے مبرّا ہو گی۔ ہمارا خیال اس درجہ کی پاکیزگی کی طرف راغب ہوا۔ ظاہرا سامان سے اُس کی نقل اُتارنے لگے۔ یعنی جسم کو ملنے اور صاف کرنے لگے۔ گندے مقامات کی صفائی کا خاص خیال رکھا۔ پھر کیا ہوا کہ وہ پاکیزگی جس کو ہم نے اپنا معیار مانا ہے ہمارے ظاہرا طریقوں سے من پر اثر ڈالنے لگی۔ بڑھتے بڑھتے

ہلکا کر دیتی ہے۔ ہلکی چیز کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ اوپر کو اُٹھتی ہے۔ اُس کا اوپر آنا یہ مطلب رکھتا ہے کہ وہ اُس طرف کو جانا چاہتی ہے۔ جہاں کہ اُس کا منبع ہے۔ اب یہ چیز جس میں دھاروں کے اثرات سے کافی تحریک پیدا ہو گئی ہے اپنے اصل کی طرف اُڑنا چاہتی ہے۔ یہ چیز انسان کے حصہ میں زیادہ تر آئی ہے۔ اس لئے جب نیچے کی رسّی کٹ جاتی ہے یعنی نیچے کا رُجحان بند ہو جاتا ہے تو از خود انسان کے دل میں پرواز کی اور اپنے اصل میں پہنچنے کا خیال عود کر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھیا اوپاسنا کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ اس گرمی میں اور اُس گرمی میں جو سورج کے اثر سے پیدا ہوتی ہے بڑا فرق ہے۔ اُس گرمی (سورج والی) کا آغاز پھر بھی بمقابلہ اِس کے مادیت سے ہوتا ہے اور اِس سے بھاری ہوتی ہے۔ اِس کا آغاز اصل ہی سے ہے جس میں مادیت نہیں۔ میرے خیال میں اگر اس کو زور کہہ لیا جاوے تو ترجمہ زیادہ موزوں رہیگا۔ مگر زور میں یہ گرمی چھپی ہوئی رہتی ہے اور آفتاب میں ظاہر طریقہ میں۔ اُس گرمی میں اور اِس گرمی میں جو محض کہنے ماتر ہے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ یعنی سورج والی گرمی محض آنچ ہے اور یہ زندگی کو بڑھانے والی اور اُس کا قیام رکھنے والی ہے۔ الفاظ دونوں جگہ

بات اور بتاتا ہوں وہ یہ کہ جب دھاریں ذات سے رواں ہوئیں تو
انھیں کی روانی نے متھ متھا کر ٹھوستا کی حالت پیدا کردی۔ انو
(अणु) پرمانو (परमाणु) اور مختلف شکل کے ذرات
بن کر تیار ہوگئے اور ان کا اظہار اپنی اپنی شکل میں ہونے لگا۔ وہ
چیز ان میں رواں رہی جس سے گرمی بھی پیدا ہوئی جس پر کہ زندگی
کا دارومدار ہے۔ اس صورت میں مختلف شکلیں ظہور میں آگئیں اور مختلف
کام ہونا شروع ہوگئے۔ گرمی باقی رہی اور یہ اب تک قائم ہے۔ اسکا
زور نیچے کی طرف ضرور ہوگیا۔ لوگ سوال کریں گے کہ یہ اوپر نیچے کا
کا خیال کیا۔ جس وقت ہم سب سے اونچی چیز کا تصور باندھتے ہیں
تو نیچے کا خیال بھی قائم ہوجاتا ہے۔ علاوہ اس کے جب ہم بہتر چیز سے
آئے ہیں تو اس کے بعد والی چیز کم بہتر یا نیچی کہی جاوے گی اور
اس وجہ سے ہم اُس چیز کو سب سے بڑا اور اونچا تصور کرتے ہیں۔
یعنی بلندی اور پستی ہمارے ذہن میں فوراً داخل ہوجاتی ہیں مگر
جس وقت نیچے کا زور گھٹتا ہے تو وہی چیز جو پرمانو پر گرمی ڈال
رہی ہے اور یہ کام اُس کا برابر جاری ہے ذرّات کو اوپر کی طرف
مخاطب کرنے میں مددگار ہوتی ہے یعنی جہاں پر سے یہ چیز نمایاں
ہوئی ہے اور اُسی حرکت سے جو اسمیں گرمی پیدا ہوتی ہے اُس کو

اب اِس پردے کے بارے میں سُنئے۔ وہ کیا چیز ہے جو اُس کے اصل راز جاننے میں حارج ہو رہی ہے۔ جس وقت ہم ایشور کا خیال باندھتے ہیں تو ہماری سمجھ ایک دائرہ بنا لیتی ہے اور ایک طریقہ کا در قائم کر دیتی ہے۔ بس یہی بند ہے جو ہر "کیوں" کا جواب نہیں دینے دیتا۔ اب ہم اگر کہیں اس خیال سے باز آجائیں اور وہ احاطہ ہمارے خیال سے کہیں دور ہو جائے تو ہم باریک سے باریک بات معلوم کر سکتے ہیں۔ مگر اس دائرہ کے بعد ایک دائرہ اور آتا ہے جس کا پرتو یا عکس یہ دائرہ ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ جب ہم اِس میں گھُس پڑیں تو اُس جگہ یعنی مرکز کی کیفیت نظر آسکتی ہے۔ مگر اِن قیود کا ٹوٹنا صرف ایک حالت میں ہو سکتا ہے یعنی جب ہم اپنے ذرات کو کسی طریقہ سے چھِن بھِن (छिन्न-भिन्न) کر سکیں۔ مگر یہ طاقت امر محال ہے۔ اس لئے کہ اُن قواعد کی پابندی جو اِس کے لئے لازمی ہیں نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص ایسا پیدا ہو جائے جو اپنی قوت ارادی اور اِچھا شکتی (इच्छा-शक्ति) سے ان ذرات کو چھِن بھِن کر سکے تو واقعی وہ دائرہ نگاہ سے ہٹ جاوے گا۔ اس لئے کہ نگاہ چھِن بھِن حالت میں اُس کے ساتھ ہو چکی ہے۔ مگر اس کا علم یا گیان لانے کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہی نسبت رکھتے ہوئے اُن اجزاء کو پھر اکٹھا کر کے

ایک ہی سے آئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ایسی چیز جلدی احاطۂ بیان میں نہیں آتی۔ جہاں تک ہو سکا خیالات کو الفاظ میں باندھ دیا گیا ہے مگر اس کا فرق انبھو (अनुभव) پر منحصر ہے یعنی اِس گرمی اور اُس گرمی کا فرق ۔

ہمارے طریقہ میں سب سے پہلے یہی کیا جاتا ہے کہ ابھیاسی کا نیچے کی طرف جو رجحان ہو رہا ہے۔ تعلیم کنندہ اپنے اثر سے کمزور کر دیتا ہے تاکہ اجزا اُس طرف یعنی ایشور کی طرف از خود مائل ہونے لگیں۔ یہ حالت من کے اونچے طبقے کی ہے اور وہ حالت یعنی نیچے کی طرف رجحان ہونا۔ من کے نیچے طبقہ کی۔ یہ فلسفہ ہے تعلیم کا اور بنیاد بھی۔ یہ چیز جو میں نے یہاں بیان کی ہے بڑے بڑے فلاسفروں کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع دے گی۔ مضمون مختصر لکھا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات اور ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ ایک موقع پر کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ ایشور نے بندہ کا وہ دروازہ جس سے ہر "کیوں" کا جواب اسے مل سکے بند کر دیا ہے۔ وہ دروازہ کیا ہے سوچنے سے پتہ چلتا ہے کلا وہ پردہ کیا ہے جاننے سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک شاعر نے بھی کہا ہے:۔

توان در بلاغت بہ سحباں رسید　　　　نہ در کنہ بیچوں بہ سبحاں رسید

اصول نمبر ۲

پوجا پرارتھنا سے شروع کی جاوے۔ پرارتھنا آتمک اُنتی کے لئے ہونا چاہیئے اور اِس طرح کہ ہردے پریم سے بھر آوے۔

پرارتھنا بندگی کی دلیل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے رشتۂ بندگی اُس ذات پاک سے قائم کر لیا ہے۔ ہم نے کسی کو مالک مانا تو ہم اُس کے بندے ہو گئے۔ بندے کو بندگی سے مطلب ہوتا ہے۔ بھرت جی کی مثال ملاحظہ ہو جنھوں نے سوائے آقا کی پرستش اور قدر کے کسی دوسری بات کو دل میں گنجائش نہیں دی۔ یہ مثال ہے جس کو ہمیں رشتۂ بندگی قائم کرنے کیلئے نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔ یہی رشتۂ محبت کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ لڑی ہے جو شروع سے آخیر تک سمبندھ جوڑ دیتی ہے۔ تار برقی کا اصول لوگوں کو معلوم ہوگا۔ بجلی کا ایک حصہ ایک سرے پر ہوتا ہے اور اُس سے آخیر سرے تک خبر پہنچ جاتی ہے۔ بس یہی حال بندہ کا سمجھنا چاہیئے کہ اُس نے اپنی طاقت کی بجلی سے مالک تک اپنی خبر پہنچا دی ہے۔ وہ تار جس کا

جسم کی ترتیب اُسی طریقہ سے کرلے جو ذرات چھن بھن کرنے سے پہلے تھی۔ عوام کی نگاہ میں ایسا شخص ممکن ہے کہ نہ پیدا ہوا ہو۔ مگر میرا انو بھو (अनुभव) شاہد ہے کہ چند ایسی ہستیاں ضرور گذر چکی ہیں۔ جبوقت ذرات علٰحدہ کئے جاتے ہیں تو وہ چیز جو باقی رہ جاتی ہے اُسکی کیفیت محض حرکت کی ہو جاتی ہے جس میں اُس کی قوت ارادی پوشیدہ رہتی ہے۔ جیسے ظہور عالم کے پہلے اور پر۔لے۔ کے بعد جو چیز کہ پنہاں تھی پھر ظہور کا باعث ہوئی۔ اِسی طرح سے جو چیز کہ ذرات کے چھن بھن کرنے کے بعد رہ جاتی ہے وہی پھر ذرات اکٹھا کرنے کا باعث ہوتی ہے اور اِس میں کوئی ڈر باقی نہیں رہتا۔

دھارہم پر سیدھی گرنے لگے۔

مئے وحدت کے طالب دل بھی کربہر طلب خالی

تہی پیمانہ پر محفل میں سر جھکتا ہے بوتل کا

رفتہ رفتہ اس کام کی اتنی مزاولت ہو جاتی ہے اور ایسی حالت بن جاتی ہے کہ آدمی ہمہ تن اپنے آپ کو پرارتھنا ہی پرارتھنا محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ حالت کب پیدا ہوتی ہے۔ جب کہ اوپر لکھے ہوئے قواعد کی پوری مزاولت ابھیاسی کرچکتا ہے اور دیالوشکتی پورے طور سے موجزن ہونے لگتی ہے۔ جب یہ بات آخیر حد تک پہنچ جاتی ہے تب آدمی پرارتھنا کی حالت میں رہنے لگتا ہے۔ دنیا کے کام کاج کرتے ہوئے بھی اُس پر وہی کیفیت طاری رہنے لگتی ہے۔ دنیا کا کوئی کام اُسکے اس کام میں اُلجھن نہیں ڈالتا۔

نمی گویم کہ از دنیا جدا باش　　بہر کارے کہ خواہی با خدا باش

اگر کسی شخص نے ایسی حالت پیدا کرلی ہے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پرارتھنا کی ہی حالت میں رہتا ہے۔ ہر وقت رجوع رہنے کا منشا یہ ہے کہ اُس نے اپنے مالک و حاکم اور اپنے آپ کو بندہ سمجھ لیا ہے۔ رشتۂ بندگی قائم ہو چکا ہے۔ ایشور کو ایشور سمجھ چکا ہے اور بندگی کے اصل اصول پر آچکا ہے۔ کیا یہ بات ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں مگر کافی مزاولت

لگاؤ بندے سے مالک تک ہوا ہے اُس میں اپنی عبادت کے اثرات سے وہ حصہ جو مالک کے پاس ہے بندہ کے پاس آنا شروع ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ نوبت اِس حد تک پہنچتی ہے کہ ہر چیز مالک کی بندہ تک پہنچنے لگی ہے۔ شروع میں صرف بندے نے اپنی خبر مالک تک پہنچائی تھی۔ کیا اچھی بات ہے۔ بندہ نے بندگی شروع کی نتیجہ یہ ہوا کہ مالک نے اُس سے قربت اختیار کرنا شروع کردی۔ اور بڑھے۔ زیادہ گئے۔ ہم نشینی کا خیال بندے میں موجزن ہونے لگا۔ مصاحبت شروع ہوگئی۔ دھیان نازل ہونے لگیں۔ خبریں پہنچنے لگیں۔ احکام آنے لگے۔ ابتدائی سنکار شروع ہوگیا۔ یہاں تک تو کہہ لائے۔ آگے ...... ایک راز ہے۔ زبان کھلتی نہیں۔ سراسر لوگ کہتے ہیں۔ بندگی نے ہم کو بندہ بنا دیا۔ مگر یہاں پر تناسب کا مسئلہ اُلٹ پھیر (Inverendo) پھر آجاتا ہے...... جس کسی نے اِس اصول کو لیا کمال تک پہنچ گیا۔ لوگوں کی نگاہ اس فلاسفی پر پہنچی ہی نہیں۔ نہ یہ راز ابتک ظاہر ہوا۔

اب یہ بات کیوں کہی گئی کہ پرارتھنا اس طریقہ میں ہونا چاہئے کہ ہردے پریم سے اُمنڈ پڑے۔ مطلب یہ تھے کہ ہم اِس تک اپنے میں خلا پیدا کرلیں کہ اُس کی دھاریں اِس میں خوب اترنے لگیں۔ گویا اُس کے لئے جگہ بنالیں جس سے کہ اتنی کشش پیدا ہو جائے کہ ایشوری

اوپر کہا گیا ہے تو پرارتھنا شروع کر دے اور اگر نہ بنے تو بنا لے۔ پرارتھنا ہمیشہ اُس مالک سے کرنا چاہیئے جو واقعی مالک ہے اور مالک کہلانے کے قابل ہے۔ غلاموں سے پرارتھنا کرنا میں جائز نہیں سمجھتا۔ یعنی اُن شکتیوں سے جو انسان کے ماتحت رکھی گئی ہیں اور انسان سے ہی اُن کو طاقت ملتی ہے۔ زمانے کے اثرات سے اُن کی حالت مدقوق کی سی ہے۔ اپنے بڑے حاکم سے بجز خاص صورت کے دنیاداری کے معاملات میں پرارتھنا کرنا جہل اور نادانی ہے۔ پرارتھنا البتہ اُس بات کے لئے مالک سے کرنا جائز ہے جس کے لئے اُس کا حکم ہو چکا ہو۔ یہ بات کمال انسانی شرافت کے اندر آتی ہے۔ اور اِس بات کی دلیل ہے کہ ہم اُس کو دل سے اپنا مالک سمجھ رہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اُس کے آدھار پر چھوڑ دیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پرارتھنا کا ڈھنگ دوسروں کے فائدے کے لئے کیا اختیار کرنا چاہیئے۔ جواب یہ ہے کہ اُن کو اُسی حالت پر لے آوے جو پرارتھنا کرتے وقت اپنی بنائی گئی ہے۔ اُن کو منقوش کر دیا جاوے کہ ہم ایک عاجز بندے اور ادنیٰ بھکاری ہیں۔ جو درگاہ عالی میں اپنی حیثیت سے رجوع ہو رہا ہے۔ اُس کو چاہیئے کہ جو کچھ بھی ہو اپنے مالک کے سامنے سب رکھ دے اور مالک کی موج کے تابع ہو جاوے۔

کے بعد جس کی یہ حالت ہو چکی ہے وہ پرارتھنا کے دائرے میں ہے۔ اُس کو اختیار ہے کہ اپنے مالک کے سامنے عاجزی [नम्रता] کے ساتھ جو چاہے سو کہہ دیوے۔ ہر شخص کو پرارتھنا کے وقت اس شکل میں آنا پڑتا ہے تب ہی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ یہ رشتۂ محبت ہے جو اپنی حد میں قائم کر کے مالک کی حد تک پہنچایا گیا ہے۔ یہ وہ تار ہے جو اگر ایک دفعہ جوڑ چکا ہے تو پھر نہیں ٹوٹتا۔ منزل بہت دور ہے۔ یہ سب جانتے ہیں۔ مگر خیال ایسی چیز ہے کہ اس کو آسان کر دیتا ہے۔ پریتم کی یاد پریمی کو اُس سے قریب تر کر دیتی ہے۔ اِس رشتہ کی حد نہیں۔ جتنی زیادہ محبت یا پریم پیدا کیا جاوے اُتنی ہی اُس طرف ترقی ہوتی ہے۔ یہ رشتہ ہم اپنے ساتھ لائے ہیں۔ اس کو ترقی دینا ہمارا فرض ہے۔ اِس کو، ہمیں یہاں تک بڑھانا اور ترقی دینا چاہیئے کہ ہم اپنے آپ کو ہمیشہ اُس کے قریب تر پاویں۔ پرارتھنا کی حالت بھگتوں کی ہوتی ہے اور پریم اور بھگتی سے ہی اُس میں مضبوطی آتی ہے۔ یہ وہ سیڑھی ہے جو ذات تک پہنچا دیتی ہے۔ یہی سیڑھیاں جانے کتنی چڑھ چڑھ کر اس حد تک پہنچانے میں مددگار ہوتی ہیں۔ سب منزلیں (یعنی مدارج یا درجات ترقی روحانیت) اس کے اندر ہیں۔ پرارتھنا کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے۔ جب طبیعت ایسی بن جاوے جیسا کہ

کیاہے۔ وہ حالت جو شاید کسی کو پسند نہیں آوے گی۔ وہ کیا ہے جہاں پر ہر چیز کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اُس جگہ پر پہنچنا ہے جو سب کا مبدا اور اصل ہے۔ حقیقت تو یہی ہے یہیں پر جملہ مدارج ختم ہوتے ہیں۔ اس کے آگے میں کیا کہوں . . . . . ایشور وہ وقت لاوے کہ آپ سب پر روشن ہو جاوے۔ آمین

آغاز عالم سے پہلے خاموشی ہی خاموشی تھی۔ وہ چیز جب نیچے اُتری تو اپنا اصل یا جوہر ساتھ لائی۔ دونوں کی حالت لگ بھگ ایک ہی تھی۔ اُس پر غلاف در غلاف لپٹتے گئے۔ اس کے کہنے والے آپ ہی تھے۔ دریا کی موجوں نے سمندر بپا کر دیا۔ بہت سے قطرے مل کر دریا بن گیا۔ اصل کیا تھی۔ وہی نقطہ۔ جوہر یا اصل جو ساتھ آیا۔ دریا کی بنیاد کیا تھی۔ چند قطرہ پانی جو آبشار سے گرا اور دریا بہا دیا۔ مطلب کیا تھا۔ کہ اُس قطرہ میں غیر ضروری قطرے شامل ہو گئے اور اصل نقطہ کو چھپا کر محض اُس کی عکسی صورت لینے لگے۔ یعنی اُس کو موٹا یا ٹھوس کر دیا۔ کوئی شخص اگر کسی چیز کو دیکھے تو اُس کی موٹی شکل ہمیشہ نگاہ کے سامنے آئے گی۔ اگر متواتر دیکھتا رہے تو ایک وقت وہ آئے گا کہ نگاہ کے سامنے سے اُس کی موٹی شکل بھی غائب ہونے لگے گی۔ صرف اُسکا آکار باقی رہ جائے گا اور کوشش کی جاوے تو یہ چیز بھی غائب ہونے

یعنی اپنا سب کچھ مالک کے سپرد کر دیوے۔ اور اپنی خالص صورت اختیار کرلے۔ سب طرف سے سمٹ سمٹا کر اُس طرف ہو جاوے اِس طرح پر کہ دنیا تیرو تار معلوم ہونے لگے۔ سب کی یاد اُسی ایک کی یاد میں شامل ہو جاوے اور ہر زباں [روم روم اور ذرہ ذرہ] سے یاد ہی یاد باقی رہ جاوے۔ اِس کو فنار مطلق کہتے ہیں۔ اگر یہ حالت انسان اپنے میں پیدا کرلے تو میں سمجھتا ہوں کہ اُس کو سراپا پرارتھنا سمجھنا چاہئے۔ اور اس کا ہر خیال وہی ہوگا جو موج مالک کی ہے۔ وہ کبھی اُس طرف رجوع نہ ہوگا جو خلاف منشار ایزدی ہو اور وہ وہی چاہے گا جو مالک کا حکم ہوگا۔

ایسی پرارتھنا کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کرنا چاہئے۔ اگر کسی شخص نے اِس کو پورا کرلیا یا اِس حالت میں پیوست ہو گیا تو بتاؤ پھر اُس کو کیا کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ سوائے اُس کی یاد کے اور پھر یاد بھی کیسی جو کبھی نہ آوے۔ بڑے بڑے لوگ اِس حالت کو ترستے چلے گئے مگر اس کا کنارہ یا چھور نہ ملا۔ آرزو ہی رہ گئی۔ کیا یہ ایسی معمولی بات ہے۔ وہاں کیا ہے سُن کر عش عش کرو گے۔ وہاں پر بے انتہا سادگی ہے جس میں بھنا ٹا (Viberation) ہوتے ہوئے بھی ایسا سکون ہے جسکو سکون بھی نہیں کہہ سکتے۔ تیزی اور اُٹھان تو درکنار۔ اُجالا کہہ لو۔ مگر کیا یہ صحیح ہے۔ اُجالا نہ سہی اندھیرا کہو تو کیا صحیح ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ اب

کی جو کہی گئی ہے لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے گی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک بچہ الف بے سے تعلیم کا آغاز کرتا ہے مگر مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے چل کر اُس کے ذریعہ بڑی بڑی باتیں سمجھنے لگے اور ممکن ہے کسی وقت وہاں سے آغاز کرے جس کے بعد اصل مسائل اور دقیق باتیں شروع ہوتی ہیں۔ گویا وہ مقصد اُس کے پیش نظر ہے گو کہ وہ ابھی حروف تہجی کی بندش میں ہی بندھا ہوا ہے۔ اُس کو ابھی خواہ ابجد خواں کہہ لو خواہ تعلیم کا ابتدائی مرحلہ سمجھ لو۔ غرضیکہ بمقابلہ اُس چیز کے ابھی یہ باتیں سب فروعات میں شامل ہیں۔ یہ پہلی حالت سب میں ملے گی جب کوئی شخص اس کو شروع کرے گا اور اگر اُس کا نقطہ وہیں جمے گا تو اُس کا اثر اُس موٹی چیز پر دوڑنے لگے گا۔ رفتہ رفتہ اُس کی یہ حالت ہو جائے گی کہ بس وہی نقطہ اُس کے سامنے ہوگا اور اُس پر اُس کی بیٹھک یا قیام ہو جائے گا۔ یہ شروع کی منزل ہے۔ جب کوئی ہمت کر کے اس نقطہ پر پہنچ جائے تو نقطہ کو بڑھاتا جائے۔ بڑھانے کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کو پھونک کر غبارہ کر لیا جاوے بلکہ یہ کہ اُس میں اُس چیز یا طاقت کا اضافہ کیا جائے جو اُسکی اصل ہے۔ جب اُسمیں ترقی ہونا شروع ہو جائے اور وہ موٹی چیز جو پہلی چیز سے بہت ہلکی اور باریک ہے لطیف معلوم ہونے لگے گی اور آخیر کو وہ بھی معدوم ہو جائے گی تب

لگے گی۔ پھر بھی کوشش کرنا چاہیئے تو وہ چیز بھی جاتی رہے گی جس نے مل کر اُس کو وسیع کر دیا ہے۔ وہ سب غائب ہونے لگیں گی اور آخر میں وہی چیز رہ جاوے گی جو وہاں پر موجود ہے۔ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے۔ جب اتنا ابھیاس کیا جاوے کہ صرف اصل چیز کو جو ہمیں حصہ میں ملی ہے نگاہ میں رکھتے ہوئے ہم ہر کام کو انجام دیں۔ وہ نگاہ جو ہم نے اُس پر قائم کی ہے اُس کو نقطۂ پرارتھنا سمجھیں۔ آغاز اسی کو کہہ سکتے ہیں اور وہ فروعات جن کو ہم نے دور کیا ہے پرارتھنا کی پہلی حالت کہی جا سکتی ہے۔ لوگ تعجب کریں گے کہ میں نے اِس حالت کو آغاز کیوں کہا ہے۔ یہ حالت چیتنتا کی ہے۔ جس کو آغاز کہا گیا ہے۔ چیتنتا ہر حصہ میں موجود ہے۔ مگر یہ اعلیٰ طبقہ کی چیتنتا ہے۔ اِس کے بعد کے مدارج میں نے یوں نہیں دکھائے کہ اِس حالت پر نگاہ پہنچنا ایک دشوار امر ہے اور اُس کی آخری حالت نگاہ میں جم ہی نہیں سکتی۔ اِس حالت میں جاکر ایکتا (Oneness) بھاستی ہے۔ پرارتھنا اس کے بعد سے کی جاتی ہے۔ یہ تین منازل (یا ڈھائی کہہ لو کیونکہ اس کے بعد پتہ نہیں رہتا۔ صرف ڈھائی درجہ تک پتہ رہتا ہے) سمجھنے کے لئے آغاز اور انجام کہہ لو۔ درمیانی صورت بھی اس میں شامل ہے۔ واقعی یہ مسکن ہے جس کو میں نے آغاز کیا ہے۔ پہلی حالت پرارتھنا

بھی اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ غرضیکہ کہاں تک کہا جاوے فعل در فعل ہوتے ہی چلے گئے نوبت بہ اینجا رسید کہ اُس کو اِس حالت میں لے آئے کہ اُس کو قطعی خبر نہ رہی کہ میں کتنے مختلف عملوں میں سے ہو کر گذر چکا ہوں۔ اب جو یہ سب فعل عمل میں آئے انھوں نے ایک [illegible] کی شکل اختیار کر لی۔ اب یہ چیز یا حالت ہٹائے نہیں ہٹتی۔ اپنے میں اس کو ایسا گرفتار کر لیا یا لپیٹ لیا کہ اس کو یہ خبر بھی نہ رہی کہ کیا ہو گیا۔ آگے اور گُل کھِلا۔ اُس نے دنیا دیکھی۔ طرزِ معاشرت کا اثر پڑا۔ چال ڈھال کا اثر ہوا۔ گفت و شنید نے اثر ڈالا۔ واقعات نے رنگ جمایا۔ فکروں نے قبضہ کیا۔ اب اُس کی صورت کچھ اور ہو گئی۔ اب آگے سنئے۔ یہ باتیں جو اُس میں رنگ کی شکل میں آ چکی تھیں انھوں نے اپنے مترادف ذرّات کشید کرنا شروع کر دئے۔ اُن پر اور جِلا ہو گئی۔ خیال فرمائیے کہ کیا شکل تھی اور کیا ہو گئی۔ ذرّہ (قطرہ۔ بوند) کو ایسا دبایا کہ اُس کی رنگت اب نظر بھی نہیں پڑتی۔ اور یہی نہیں وہ چیز جو اب پورے طور سے داخل ہو گئی ہے اور اُس کو جتنا زوردار آپ نے بنا دیا ہے اور بناتے جا رہے ہیں اتنا ہی تیز اُس میں عمل ہوتا چلا جا رہا ہے اور جتنی تیزی بڑھتی جاتی ہے اُتنا ہی زیادہ اثر آپ قدرتی طاقتوں سے گھسیٹ رہے ہیں۔ جیسے آبشار کی حیثیت دریا بننے سے پہلی تھی کہ اُس میں چند قطرہ پہاڑ سے آ کر اُس کے پیچھے

سمجھنا چاہیئے کہ ہم اُس دائرہ میں پہنچ چکے ہیں جہاں کسی چیز کے وجود لطیف کا گمان باقی رہ جاتا ہے۔

اصل سے دھار کی بہت سی صورتیں نمایاں ہوگئیں۔ یہ سب چیزیں اُتری ہوئی تھیں یعنی اپنے سرچشمہ سے آئی تھیں۔ یہ سب چیزیں بیکار نہیں تھیں بلکہ یہ طاقتیں تھیں جنھوں نے مختلف صورتوں میں کام کرنا شروع کردیا اور اِن طاقتوں نے وہاں پر اپنا وہ اثر دکھایا جس کی جہاں پر جیسی ضرورت تھی۔ یہ کُل طاقتیں اپنے اصل سے دھار کی صورتوں میں نمایاں ہوئیں۔ اور اپنا اپنا کام دکھایا۔ بچہ کی حالت سب کو معلوم ہے کہ ایک وقت پر وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ آیا۔ اُٹھنے بیٹھنے۔ بولنے اور دوڑنے لگا۔ گویا جو چیزیں کہ اُس میں موجود تھیں نشو و نما پانے لگیں۔ انسان کی پوری جولانی آخرکار آہی گئی۔ اُس چیز نے جو بچہ میں شروع میں ٹھونسی گئی تھی اب نشو و نما پاکر جداگانہ صورت اختیار کرلی۔ اصل کیا تھی۔ وہی ایک قطرہ جو حصہ میں آیا۔ اب اُس میں بہت سی چیزیں جن کو ہم نے غلاف در غلاف کہا ہے شامل ہوتی گئیں۔ یہ کیسے ہوا۔ ماں کی عادت اور اُس کا اثر۔ باپ کے خیالات اور طریقہ تعلیم۔ اِس کے آگے جو باتیں اُس میں دوسروں کے اثر سے پیدا ہوگئیں۔ اِن سب نے بذات خود اپنا اپنا فعل شروع کردیا۔ اور جلدی اثرات قائم کردئے اور وہ چیزیں جو ایسے قائم ہوئی تھیں انھوں نے

ایک سوال اہم باقی رہ جاتا ہے کہ چیز کو دیکھتے دیکھتے وہ چیز نگاہ کے سامنے سے کیوں ہٹنے لگتی ہے۔ اور صرف آکار باقی رہ جاتا ہے اور پھر وہ بھی نہیں رہتا۔ وجہ یہ ہے کہ مادّہ میں مادّہ ہی کو دیکھنے کی طاقت ہے اُس کے بعد اُس سے بعد والی طاقت ہی میں دیکھنے کی طاقت ہے۔ اسی طرح اُس کے بعد اُس سے بعد والی طاقت۔ غرضیکہ اِسی طرح یہ بات برابر چلی جاوے گی تاوقتیکہ دیکھنے کی طاقت قطعی معدوم نہ ہو جاوے۔ اِس کے آگے بھی بہت کچھ باقی رہتا ہے۔ جو احساس کی شکل میں نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ اور اُس کے بعد وہ بھی نہیں رہتا۔ اور پھر کیا کہوں رہنا بھی نہیں رہتا۔ اور یہ بھی نہیں رہتا۔ اب کیا ہوتا ہے۔ وہی نفی کی حالت۔ وہی اصل۔ کیا کوئی شخص اِس کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ وہی جو اُس تک پہنچ چکا ہے۔ اب یہی غلطی ہے یوں کہنا چاہیئے کہ جو محض نیست ہی نیست میں غوطہ زن ہے۔ مگر بھائی یہ نیست بھی تو کچھ ہے اگر ہے نہیں تو اِس کو ایسا کیوں کہا۔ ابھی اور بڑھو۔۔۔۔

ایک سوال اور رہ جاتا ہے۔ دھاریں اُترتے اُترتے موٹی کیوں پڑ گئیں۔ مسئلہ دقیق ہے۔ آدمی کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی سے کودنے پر اثنا ور راہ ہی میں نیم جاں کیوں ہو جاتا ہے۔ لوگ کہیں گے زمین کی کشش کی وجہ سے۔ میں کہوں گا کہ جب اوپر سے نیچے کا ارادہ ہوا تو اُس کے خیال

جمع ہوگئے تھے اور ٹپکتے تھے۔اب اُس کو کچھ برف نے مدد دی اور کچھ پانی نے غرضیکہ اُس کی تعداد اور پانی کی مقدار بڑھتی ہی گئی اور رفتہ رفتہ ایک پرنالہ کی شکل اختیار کر لی۔ پھر کیا ہوا آگے اور بڑھا۔ بڑھ کر کچھ پانی اِدھر اُدھر سے رسیانے لگا۔ دھارا اور بڑھ گئی۔ کہیں گڑھے میں پہنچی کہیں اُس سے اوپر اُبھری حتّٰی کہ اُس میں خود سوت جاری ہو گئے۔ آگے کیا ہوا۔ پانی کا چشمہ جو اِدھر اُدھر جمع ہوکر اکٹھا ہو گیا تھا اُس میں شامل ہو گیا۔ روانی بڑھنے لگی۔ اور اِدھر چونکہ شروع کے رِسیانے سے میدان اور جگہ پانی لینے کی اور وسیع ہو گئی تھی الغاروں پانی آنے لگا۔ دریا یہاں تک بڑھا کہ اُس کے لئے بڑا لفظ سمندر ہی ہو سکتا ہے۔اب اُس کی حیثیت کیا ہو گئی۔ کیا ابتدا تھی اور کیا انتہا ہوئی۔ وہی جو بچہ کی حالت کافی نشوونما پا کر ہوئی تھی۔ یہ موجیں جو دریا میں نمایاں ہیں اِن کی اصل اور کچھ نہیں۔ بلکہ نتیجہ اُن کرموں کا ہے جنھوں نے راستہ میں مِل مِلا کر اُس صورت کے اختیار کرنے میں مدد دی ہے۔ یہ وہی موجیں ہیں جن کو آخر میں لوگ موج یا آنند تصور کرتے ہیں۔ یہ عالمِ انسان کی زندگی میں جوانی کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے۔ جب کہ بہت کچھ لیس پوت ہو چکتی ہے۔ سمندر کی حالت وہ کہی جا سکتی ہے جس وقت انسان اُس روپ میں آجاتا ہے جس کو بہت سے افعال کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔

اے مالک کُل ! تو ہی ہماری زندگی کا مقصد
ہے۔ ہماری خواہشات ہماری ترقی میں رخنہ انداز
ہو رہی ہیں۔ تو قادر مطلق اور ہمارا معبود ہے۔
بلا تیری مدد کے تجھ تک ہماری رسائی محال ہے۔

آغازِ عالم سے پہلے ہر جگہ سکون ہی سکون تھا۔ جب دنیا موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی تو وہ مرکزی نقطہ لوگوں کے دلوں میں پورے طور سے جاگزیں ہو گیا۔ اُس نقطہ نے جو بڑی چیز کا ایک حصہ تھا یہ لاحق کر دیا کہ ہم اپنے مرجع اصلی کی طرف رجوع ہوں۔ پرارتھنا میں ہم یہی کرتے ہیں۔ ہم اُس مرکزی نقطہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کب ممکن ہے۔ صرف اس وقت جب کہ ہم اپنی وہی حالت بنالیں۔ ایسی حالت بنانے کے لئے مشق کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہم اصل کیفیت تک رسائی حاصل کرسکیں۔ یہ اس طرح سے حاصل ہو سکتی ہے جب کہ ہم اپنے آپ کو کلیتًا قدرت کی مرضی پر چھوڑ دیں [جو کہ بالکل سیدھی سادی اور شانت ہے] ظاہرا طور پر یہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مگر دراصل ایسا نہیں ہے۔ کن کے لیے۔ صرف اُن کے لئے جو اُس میں گھسنا چاہتے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کر لیتا ہے تو وہ پرارتھنا کی حالت میں ہے۔ یہ حالت

کی گرمی نیچے کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ گویا یہ چیز دھکا کھا کر اُس سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اِس طرح جب دھاریں اوپر سے نیچے کی طرف رجوع ہوتی ہیں تو اُس کو بھی ایسا ہی سمجھ لینا چاہیئے۔ موٹی چیز سے مطلب ٹھوستا سے ہے اور ٹھوستا اُس چیز میں کہی جاتی ہے جس میں زندگی نہ ہو۔ اب لوگ سوال کریں گے کہ بھلا قدرت کی دھار اور اُسمیں زندگی نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہر چیز قدرت سے آئی ہوئی ہے۔ نباتات۔ حیوانات اور جمادات سب اُسی کا نمونہ ہیں۔ مگر کیا اِن سب چیزوں میں زندگی کہی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر کہی بھی جائے تو جیسا کہ کہا گیا ہے وہ ایک خوابیدہ زندگی ہے۔ یہی حال اُس چیز کا سمجھ لو۔ انسان اپنے آپ کو اپنے کرموں سے اُس سے نسبت دے لیتا ہے۔ اور اُسی سے ہم آہنگی اختیار کر لیتا ہے۔

جب ہم نے یہ اصول قائم کر دیا کہ پرارتھنا لازمی شے ہے تو یہ بھی لاحق ہوتا ہے کہ کن الفاظ میں پرارتھنا کی جاوے۔ چنانچہ بہت مختصر پرارتھنا جو مندرجہ ذیل ہے ابھیاسی کے لئے کرنا لازمی سمجھتا ہوں۔ اور بھی کئی طریقہ سے پرارتھنا ہو سکتی ہے۔ مگر میں اِس چھوٹی سی پرارتھنا کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔

اصول نمبر۲

ہر ایک بھائی کو چاہیئے کہ اپنا مقصد قائم کرلے اور وہ یہ کہ ایشور تک پہنچ کر اُس میں ملے اوستھا حاصل کرکے مستقل قیام کرلے اور جب تک یہ بات حاصل نہ ہو جائے چین نہ آوے۔

ہر شخص کا فرض ہے کہ جس چیز کو حاصل کرنا ہے اُس کا خیال پہلے سے ضرور باندھ لے تاکہ اُس کا خیال اور قوت ارادی اُس تک پہنچنے کا راستہ بنالیویں۔ دیکھا گیا ہے کہ جن شخصوں نے ایشوری رشتے میں اُس کی آخری حالت کو مقصد نہیں بنایا ہے وہ ضرور اُس آخری دولت سے محروم رہ گئے۔ اس لئے کہ وہ دولت ملنے سے پہلے جو چیز کہ اُن کو اثناء راہ میں حاصل ہوئی اُس کو اصل سمجھ بیٹھے اور وہیں پر رُک گئے اور اُسی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ کہیئے مقصد قائم نہ کرنے سے کتنا نقص واقع ہوتا۔ دنیاداری کے معاملات میں غور فرمائیے کہ جب تک کوئی انسان اپنا مقصد سامنے نہیں رکھ لیتا اُس کی کوشش اس طریقہ کی نہیں ہوتی اور نہ اتنی جانفشانی سے

ہر ایک کی ہو سکتی ہے جو اِس کا متلاشی ہوگا۔ جو شخص ایک لمحہ بھی اس کیفیت پر پہنچ جاتا ہے تو اُس کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اِس کے لئے روزانہ مشق کی ضرورت ہے۔

ہمارا بندہ ہم تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب اِس کے اثر سے ذات میں ایک طریقہ کی حُبابی کھٹک پیدا ہونے لگی تو گویا آپ نے اپنے خیال کو اُس میں انجماد کر دیا۔ دوسرے معنوں میں پریتم اور پریمی کی مثال پیشِ نظر ہوگئی۔ یعنی فاصلہ جو بندے کا ذات تک تھا اب قریب احساس ہونے لگا۔ قربت یہاں تک بڑھی کہ وہ حصہ جو خیال میں دوری کا احساس دلاتا تھا رفتہ رفتہ مٹنے لگا۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اِس خیال کو بھی بھول گئے۔ وجہ یہ تھی کہ قریبی کی نسبت اور بھی قریب تر ہوگئی۔ یہ قربت یہاں تک بڑھی کہ ہم اُس کے بالکل قریب تر ہو کر اُس میں شامل ہونے کا احساس کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اب ہمارے خیال سے یہ بات بھی قطعی کافور ہوگئی کہ ہم واقعیؑ اُس کے قریب تر ہیں۔ بات یہ تھی کہ ہم نے اسقدر اُس کی نزدیکی حاصل کر لی کہ ہمارا وہم و گمان یعنی جو خیال علیحدگی کا تھا اور اُس خیال سے علیحدہ تھا۔ اب اُس میں ایسا سمٹ گیا کہ اُس کی حالت ایک طریقہ سے مخفی حرکت کی سی ہوگئی جو پرلے کے وقت تھی۔ اب وہ خاموش حرکت جو ہم نے اُس میں پیدا کر لی اور ہر طریقہ سے اس میں سمٹنے لگے اُس سے ہمارا پھیلاؤ اُس میں ہونے لگا۔ اِس طریقہ سے ہماری سے اوستھا اُس میں ہو کر ایسی قدر دیرپا اور مستقل ہوگئی کہ اب

کام ہوتا ہے جس سے اُس کو مقصد براری میں مدد ملے۔ کہا گیا ہے کہ کشتی میں جب تک پتوار نہ ہو اُس وقت تک اُس کو وہاں نہیں لے جا سکتے جہاں کہ جانا ہے۔ اگر ہم اِس جسم کو کشتی سمجھ لیں اور اُس جگہ کو جہاں کشتی چلتی ہے دریائے معرفت سے نسبت دیں تو یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ ہم کشتی میں پتوار ضرور لگا لیں تاکہ ہم اُس بحرِ زخّار کو جس کو میں نے دریائے معرفت کہا ہے طے کر سکیں پتوار اشار راہ معرفت میں کیا چیز ہے۔ یہ ہماری قوت ارادی ہے جس سے ہم اپنا بیڑا کھیکر منزل مقصود پر لے جاتے ہیں۔ ضرور ہے کہ راستہ میں بہت سی جگہ بیشمار بھنور ملتے ہیں مگر اِس قوت ارادی اور پہنچنے کے خیال کی مضبوطی سے اُن بھنوروں کو پار کر جاتے ہیں اور ہم کو صحیح راستہ ملتا جاتا ہے۔ اب ہماری نگاہ چونکہ معرفت پر ہے لہٰذا ہم ایسا مقصد اپنے سامنے رکھتے ہیں جو سب سے اونچا ہے اور وہ مقصد وہی ہو سکتا ہے جس کو ذات حقیقت سے منسوب کرنا واقعی ٹھیک ہوگا۔ انسان کا فرض بھی یہی ہے کہ اُس تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ جب تک انسان کے خیال میں یہ مقصد نہیں جمتا اُسوقت تک یہ راستہ طے کرنا امر محال ہو جاتا ہے اور مدد ایشوری اُسی وقت شامل ہو جاتی ہے۔ جب کہ اُس کو یعنی ذات کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی

اس زور شور سے مائل ہونے لگتی ہے کہ بغیر اِس کے کئے اُس کو کچھ اچھا بھی معلوم نہیں ہوتا۔ جو حالت بڑھ جانے پر بے چینی کے نام سے منسوب کی جاسکتی ہے۔ اِس میں تڑپ بھی شامل ہے لہٰذا یہ بات لازم آئی کہ اُس تک پہنچنے کے لئے ہم کو بے قرار ضرور رہنا چاہیئے۔ جس طرح سے جب آغاز عالم کا وقت آیا تو وہ مخفی حرکت اپنے لئے راستہ بنانے کے لئے بیقرار تھی۔ اُس کی بیقراری نے اُس کے لئے راستہ بنادیا۔ ہماری بیقراری ہمارے لئے مقصد پر پہنچنے کا راستہ بنادے گی۔

ہمارا قیام اُس میں مستقل طور پر ہو گیا اور ہم اُس بحرِ ذخار میں جس کا اور چھور نہیں ہے شناوری کرنے لگے۔ اب ہم کو اصلی زندگی ملنے لگی۔ وہ کیا تھی وہ اثرات سمندر کے تھے۔ جس میں ہم اب تیر رہے ہیں دیکھئے جب آپ نے مستقل صورت اپنے خیال کی ذات میں لے ہونے کی باندھی تھی اور ارادہ مستقل بنا لیا تھا تو اُس نے مدد دے دے کر آخر مقصد پر پہنچا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے از خود وہاں پہنچ کر اپنا قیام پوری طور سے اُس میں جما لیا۔ بھائی یہ بات کس قدر مشکل تھی جو محض آپ کے ارادے اور صحیح مقصد قائم کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی اور کتنی آسانی سے آپ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں جانے کا منشا تھا۔ یہ راستہ کیسے پار ہوا۔ پہلے یہ خیال تھا کہ ہم اُس تک پہنچیں اور پھر آپ کوشش اور سعی بلیغ اُس تک پہنچنے کی کرنے لگے۔ چونکہ بہترین مقصد آپ کے سامنے تھا اور اُس پر آپ کو پہنچنا تھا اس لئے آپ میں اُس تک پہنچنے کی دلچسپی بھی پیدا ہو چکی تھی اور جب کسی کام میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے تو اُس کے کرنے کیلئے بار بار طبیعت چاہتی ہے اور یہ عادت ایسی بن جاتی ہے کہ بغیر اُس کے کئے ہوئے طبیعت کو قرار و چین بھی نہیں ملتا۔ اِس کا ابھیاس کرتے کرتے از خود طبیعت اس طرف اور تیز ہونے لگتی ہے۔ عادت پڑتے پڑتے میلان طبع یہاں تک ہو جاتا ہے کہ ابھیاسی کی طبیعت

شروع کر دیتے ہیں۔ اُس میں فعل درفعل نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ نتیجہ خرابی ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِس پردے میں سادگی کا پھیلاؤ چھپتا جاتا ہے۔ یہ سب مل ملا کر انسان ایسا جال بنا لیتا ہے کہ جس میں وہ خود بخود پھسلنے لگتا ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ پھنس جاتا ہے۔

آغازِ عالم سے پہلے خاموشی ہی خاموشی تھی۔ چھوب پیدا ہوا۔ کائنات ظہور میں آئی۔ جو چیزیں کہ پیدا ہوئیں اپنی اصل طاقت کا عکس لائیں اور قریب قریب جزاً ہر طاقت موجود تھی اِن کا اِس لحاظ سے وہی کام ہے جو اصل کا تھا۔ چھوب کے اثر سے کائنات اور اُس کے قائم رکھنے کی طاقتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ دوسرے معنوں میں ایک قسم کا مکڑی کے جال کی طرح تانتا پُر گیا۔ اور ہر چیز اور ذرّات جنھوں نے تانتا بنایا یا لڑی بنائی طاقت رکھتی تھی۔ اُس کی شکل اب بھی ویسی ہی ہے۔ اور رہے گی۔ جب تک کہ اُس کی واپسی کا وقت نہ آجائے۔ انسان جس وقت پیدا ہوا اُس کی حالت خوابیدہ شکل میں تھی۔ اُن اجزا میں جن کو اپنے ساتھ لایا تھا اُس وقت نشو و نما نہ تھی۔ ہوتے ہوتے وہ طاقتیں ترقی کرتی رہیں۔ اور اِس حالت پر پہنچا دیا کہ وہ ازلی خیال جو اُس کے ظہور میں لانے کا بنیادی پہلو تھا کافی ترقی کر گیا۔ یہی ایک چیز تھی جو ذات سے پیدا ہوکر کائنات کا باعث ہوئی۔ اور پھیلاؤ اور سارا پسارہ کر دکھایا۔ دوسرے

اصول نمبر۴

اپنا جیون سادھارن بنالے اور وہ ایسا ہو کہ نیچر سے مِل جُل جاوے۔

مضمون نہایت مشکل ہے جو اِس اصول میں رکھا گیا ہے۔سادگی قدرت کی جان ہے۔یہ وہ پرتو ہے جو ذات میں نہاں رہتا ہے۔اِس سے روئیدگی اور بالیدگی عمل میں آتی ہے۔اِس کو اگر ذات کی روح رواں کہہ لیا جائے تو بہتر ہوگا۔یہ واقعی نیچر کی جان ہے۔اِس سے کود پھاند شروع ہوتی ہے۔یہی چیز بالکل اصل ہے۔اس کے بعد جو بات آتی ہے وہ مایا کا دائرہ ہے۔عام طور پر لوگ اِسی دائرہ میں کام کرتے ہیں اور اُچھل پھاند اور چڑک بھڑک سب اِسی کی طرح رہتی ہے۔گویا یہ چیز آغازِ عالم کا باعث ہوتی ہے۔اِس چیز کو لوگ اپنے اندر نشو و نما دیتے جاتے ہیں۔نوبت یہاں تک آتی ہے کہ ایسی گتھیاں بنا لیتے ہیں جس کے سلجھانے کے لئے خاص قوت ارادی کی ضرورت پڑتی ہے۔اِس میں لوگ لپٹ لپٹا کر سمٹ سمٹا کر ایسی نمود اختیار کر لیتے ہیں جو بظاہر اس میں ایک ٹھوس سا نشان نظر آنے لگتا ہے۔بیرونی ہوا اور ماحول بھی اُس پر اثر ڈالتا

انسان کی واپسی یعنی انسان کی پیدا کردہ دھاندوں کی واپسی جو تانتا یا
جال کی شکل میں موجود ہیں اُس وقت ہو سکتی ہے جب وہ اُس بھنّاٹے
کو ختم کر دے جو اُس نے اُن چیزوں کے بنانے میں پیدا کیا ہے۔ یہ بھنّاٹا
جو انسان نے پیدا کیا ہے چونکہ ذات کے برعکس صورت کا بھنّاٹا ہے
اس لئے اُس کی بگڑی ہوئی شکل اور ٹھوستا کی حالت اُس میں موجود
ہے۔ اور جو اصلی بھنّاٹا ذات کے چھوب دوارہ پیدا ہوا ہے۔ اُس میں
اپنے طبقہ کے لحاظ سے سُوکشم طریقہ میں اور اصل روپ میں بھنّاٹا کی شکل
نمایاں ہے۔ بس اِن بھنّاٹوں میں یہی فرق ہے۔ اِس میں اندھاپن
ہے اور اِس میں جیسا کا تیسا۔ جو طاقتیں کہ اصل میں موجود ہیں وہی
طاقتیں انسان میں نمودار ہوئیں۔ اس لئے کہ انسان کے خیال میں وہ
ذرات شامل تھے جو ذات کے چھوب کے وقت موجود تھے۔ اِس میں چونکہ
اندھاپن تھا اس لئے اُس کے متضاد کام کئے۔ اور وہ قوی جو انسان
میں جاگزیں ہوئے اُن کا استعمال برعکس ہونے لگا۔ اب ان سب نے
مل ملا کر اُس تانتا میں مدد دی جو انسان نے اپنے خیال سے بنا لیا تھا۔
اُس کا ہر ذرہ اسی لحاظ سے اِس قدر طاقتور بن گیا جیسا کہ ذات کے
تانتے کا تھا اور اُس نے بھی اپنے اندر ایک دنیا بسالی۔ ہر تو ٹے اتنا
طاقتور بنا کہ جواب دینے لگا اور ایک جاندار کی طرح اُس میں حرکت پیدا ہو گئی۔

معنوں میں طاقتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اُس کی کُل طاقت ہر چیز میں ہر ذرّہ میں پورے طور سے موجود ہو گئی۔ اگر ایک ذرّہ کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جائیں تو اُن ہزاروں ٹکڑوں میں سے ہر ایک میں وہی طاقت ملے گی جو اصل ذرّہ میں تھی۔ اِس طریقہ سے وہ اصل چیز خیال یا چھوب جس کا اُبھار بستار روپ میں انسان میں موجود ہے۔ اوپر لکھے ہوئے اصول کے مطابق وہی طاقت رکھتی ہے۔ مگر چونکہ ذات کو اپنی شکتی اوپر سے نیچے منڈول کرنے کا خیال تھا۔ یعنی بلندی سے پستی کو جو ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ لہٰذا اس خیال نے جو انسان میں موجود ہے اُسکے برعکس شکل اختیار کی اور اِسی لحاظ سے وہ اپنے میں بستار اس شکل میں کرنے لگا۔ جیسے کہ ذات نے اپنے معیار میں کی تھی۔ چونکہ جڑ و نے متضاد پہلو کو اپنا اصل سمجھ رکھا ہے۔ اِس لئے اُس سے وہ صورتیں نمایاں ہونے لگیں جو نیچر یا قدرت کے برعکس ہیں اور اُسی شکل کا تانا یا جال وہ اپنے اندر بننے لگا۔ اُس کی شکل بھی اب برعکس صورت میں وہی ہو گئی جو ذات کی شکل اپنے خالص روپ میں ہے۔ فرق اتنا رہا کہ وہاں خلوص ہے اور یہاں متضاد حرکت ہونے کی وجہ سے اُس کے خلاف۔ کام دونوں نے ایک ہی کیا۔ ذات کے پسارے کی واپسی اُس وقت ہو سکتی ہے جب وہ میعاد جو خیال کے بھنانٹے نے قائم کری ختم ہو جاوے

اتنی بھائی کہ اُس کے حرکات و سکنات اور اشاروں نے اُس
قویٰ میں اور حرکت دے دی جس کو انسان پہلے نشو و نما دے چکا ہے۔
ہر بات جمیلہ کی بھانے لگی۔ جب پسند آئی تو اُس سے محبت کا آغاز
ہوگیا۔ اب اسی فکر میں گھُل رہے ہیں اور اُس حالت اور خیال کو
اور مضبوط کر رہے ہیں۔ اور اُس خیال کے لئے عادت بھی بنتی جا رہی
ہے۔ تانتا میں اضافہ ہو رہا ہے۔ عادت بگڑ رہی ہے اور اِس عادت
کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ اُس کے مترادف ہر چیز جمیلہ معلوم ہو رہی ہے۔
اور اُس پر وہی خیال اثر کر رہا ہے۔ اب فکر اِس بات کی ہوئی کہ اسکی
سیری بلا دولت کے نہیں ہو سکتی۔ مگر اُن کو جمیلہ کے خیال سے
فرصت کہاں کہ وہ محنت سے روپیہ پیسہ پیدا کریں۔ چنانچہ یہ فکر ہوئی
کہ کہیں کسی کی رقم مار دو۔ ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ اِس طرح ممکن
ہے کہ جیل کی نوبت آجائے۔ مقدمہ بازی شروع ہو جائے اس لئے
جھجکے۔ مگر جمیلہ کے خیال نے اور اس طرح کے اور خیالات نے جو اُس نے
بعد میں بنائے اُس کو اس قدر پا بجولاں اور مجبور کر دیا کہ آخر چوری پر
آمادہ ہوا اور حرام کی کمائی پر تیار ہوا۔ کیا تھا۔ کیا ہو گیا۔ اُس کے
خیالات نے اُس کو کیسی مدد دی۔ کیا ڈھنگ اختیار کیا اور کیسے اسکو
جکڑ دیا۔ یہ موٹی موٹی مثالیں ہیں جنھوں نے اُس تانتا میں موٹی موٹی

اور ہر چیز میں من اور خیال کام کرنے لگا۔ جتنے آدمی اُتنے ہی خیال شامل ہیں۔ اِس طرح جیسے ہر قوی چونکہ طاقتور بنادیا گیا لہٰذا اُتنے ہی خیال اُس میں اپنے اپنے لحاظ سے پیدا ہو گئے۔ اب کہئے آپ نے بھی قدرت کی مانند اپنی ایک دنیا بسالی۔ توازن جاتا رہا۔ جنگ و جدل شروع ہوگئی۔ ایک قوی کہہ رہا ہے کہ ہوا خوری کو چلو۔ دوسرا کہہ رہا ہے کہ ٹھنڈ بہت ہے۔ زکام ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ تیسرے نے ایک بات اور پیش کی۔ چوتھے نے دوسری بات پیش کی۔ پانچویں کو دولت کمانے کی فکر ہوئی۔ چھٹے نے کہا روزگار کرو۔ ساتواں کہتا ہے اِس میں بہت محنت پڑے گی۔ آٹھواں کہتا ہے کسی مالدار عزیز یا رشتہ دار سے دوستی کرو۔ اور اُس کا دل ہاتھ میں لو تاکہ وہ ساری دولت تمھیں دے دے۔ ایک اور قوی جواب دیتا ہے کہ بھائی یہ سب بے سود ہے جب تک کہ شادی نہ ہوجاے اور بال بچے نہ پیدا ہوں تب تک یہ کوشش بیکار ہے اسلئے کہ اُن کا فائدہ اُٹھانے والے تو پہلے موجود ہوں۔ اب فکر شادی کی ہوگئی۔ بچے بھی ہوگئے۔ ان کو سکھانے پڑھانے کی فکر ہوئی۔ بڑے ہوگئے۔ کبھی تماشہ کی سوجھی۔ فلاں تھیٹر میں جمیلہ اچھا پارٹ کھیل رہی ہے۔ چنانچہ دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ وہاں گئے۔ تماشہ دیکھا۔ چار چھ روز متواتر دیکھا۔ جمیلہ کے حرکات و سکنات نے بار بار تماشہ دیکھنے کو مجبور کیا۔ اب وہ بات

کرے تو خیال کو بھی ہمجنسیت کی وجہ سے مدد ملے گی اور اُس کو خیالی عنصر ایسے خلاف نہ ملیں گے جو بے ترتیبی پیدا کو سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے عادات بھی بنانا چاہیئے جو اِس جال کو اکھیڑنے اور تتر بتر کرنے میں مددگار ہوتی رہیں۔ کان کو چاہیئے کہ نیک بات سُنے۔ آنکھوں کو چاہیئے کہ نیک بات دیکھے۔ دل کو چاہیئے کہ وہ نیک کام کرنے پر آمادہ رہے۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں جو کرنے سے خود بخود معلوم ہوتی رہیں گی۔ علاوہ اِس کے اس جال کو خود بخود توڑنے کی کوشش کرے۔ ہر منزل پر اِس کے توڑنے کے مختلف دھیان اور مراقبہ ہو سکتے ہیں۔ ارادہ ساتھ ہی ساتھ یہ ضرور کرے کہ اِس کو توڑ کر رہوں گا اور کوشش میں لگ جاوے۔ مختلف چکروں میں مختلف گتھیاں اس جال میں لگ گئی ہیں اور لگتی رہی ہیں۔ اِس میں کسی ایسے شخص کا سمبندھ بہت مدد دے سکتا ہے۔ جس نے اپنے جال کے بند توڑ دئے ہوں۔

اِس فلسفہ پر نہایت ہوشمندی سے غور کرنا چاہیئے۔ یہ رازہائے سربستہ ہیں جو کھولے جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اِن پر غور کر کے عمل کیا جاوے۔ اِس مضمون کے بعد میرا یہ معروضہ ہے کہ اُس جال کو جو آپ نے خود بُنا ہے توڑ کر اُس طاقت کو جو قدرت کی جان ہے اور جو مخفی صورت میں موجود ہے۔ آپ کو پھر اپنانا چاہیئے اور سادگی کی مثال کو جو غور کرنے پر

کڑوی پیدا کر دیں۔ اور ان خیالات کے تلاطم سے گرمی پیدا ہونے لگی۔ اِس گرمی نے سینک کا کام کیا جس سے اُن میں اور بھی مضبوطی آ گئی ۔ ٹھوستا بڑھتی گئی۔ جال اور مضبوط ہو گیا۔ اب اُس نے جس ڈوری میں اپنے آپ کو جوڑا تھا اُس سے نئی نئی باتیں ترشح ہونے لگیں۔ کہیں پر پھر گرمی غصہ کی شکل میں نمودار ہونے لگی۔ کہیں پر نفس امارہ کی خواہشوں میں اضافہ ہونے لگا۔ کہیں پر ایسی باتیں پیدا ہو گئیں کہ جس سے اُن قولے کی پیروی میں مدد ملی۔ غرضیکہ کہاں تک کہا جائے۔ مختصر یہ کہ معجون مرکب تیار ہو گئی۔ اب اِن کی واپسی کی ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ جو اثرات اپنے اندر لئے ہیں اُن کو پھینکتا یا نکالتا چلے اور ابتدائی حالت کو اُسمیں جگہ دے۔ خیال کو مضبوط بنائے اور اُس کو اوندھے پن سے ہٹائے۔ رُخ کو پھیر کر اوپر کی طرف کر دے۔ اوپر کی طرف رُخ کرنا چونکہ اب اپنی طاقت سے باہر ہو گیا ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو کسی ایسی بزرگ ہستی سے رجوع کرے جس کا خیال اوپر کی طرف مستحکم ہو گیا ہو ایسا کہ اُس میں بذات خود یہ قدرت نہ رہی ہو کہ وہ اُس کو نیچے کی طرف کر سکے۔ چونکہ خیال میں اُلٹا پن اور اوندھا پن موجود ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے پستی میں آ کر کثیف صورت اختیار کر لی ہے اسلئے جب ایسا شخص اوپر جانے کا ارادہ کرے تو اپنے ہمجنس سے اگر محبت اور خیال کا لگاؤ پیدا

اصول نمبر ۵

ہمیشہ سچ بولے اور ہر مصیبت کو مالک کی طرف سے اپنی بھلائی کے لئے سمجھے اور اُس کا دھنیہ باد دے۔

سچ بولنے کے معنی درحقیقت یہ ہیں کہ اپنے آپ کو جیسے کا تیسا ظاہر کرے۔ یہ وہ حالت ہے اور وہ کیفیت جس پر پہنچ کر آدمی بے اختیار یہی کہنے لگتا ہے۔ "جو ہے سو ہے" کوئی الفاظ کسی طرح پر اس حالت کا ترجمہ نہیں کر سکتے۔ یہ وہ کیفیت ہے جو واقعی اصل ہی اصل ہے۔ اسکو واقعی طور پر کیفیت کے نام سے منسوب کرنا بھی اِس حالت میں ایک طرح کا بٹہ لگانا ہے۔ اب ہم نے جو لفظ حالت استعمال کیا ہے واقعی یہ بھی نہیں ہے۔ یہ درحقیقت وہ نقطہ ہے جہاں پہ کہ کُل طاقتیں سمٹ سمٹا کر پرلے کے وقت جمع ہو جاتی ہیں اور اصلیت ہی اصلیت باقی رہ جاتی ہے۔ اب لفظ اصلیت جو میں نے استعمال کیا ہے واقعی یہ بھی اُس کا صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ یہاں پر جملہ احساسات کلیتاً ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اس کو طاقت کہیں تو بھی ایک طریقہ کا مادیت کا پردہ ہم اس پر ڈال

خلاء میں ہر شخص کے پیش نظر ہو سکتی ہے اپنا مقصد مان کر ہم کو منزل تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اِس طرح پر کہ جملہ قوائے مُدرکہ و محسوسہ وغیرہ سب اُس میں لے اور فنا ہو جائیں اور اُن کی کیفیت اپنے پہلے کے لئے ہوئے اثرات زائل کرکے بالکل ایسی ہو جائے کہ آپ کی حالت اُس سے مِل جل جائے۔ تب سمجھئے کہ آپ نے اپنے آپ کو اُس طرف راغب کر دیا ہے۔ طریقہ یہی ہو سکتا ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی اُچھل پھاند اور چڑک بھڑک کم کرتا چلے۔ اُن چیزوں کو جو اپنے میں شامل ہو گئی ہیں ٹھیس دیتا چلے۔ تاکہ وہ جال جو آپ نے ہی بُنا ہے ٹوٹ جاوے اور آپ وہ نکھری ہوئی حالت جس پر آپ کو جانا ہے صحیح طور پر مظاہرہ کر سکیں۔ یہ بات اُس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب آپ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے۔ کسی ایسے شخص کی صحبت اختیار کریں۔ جو اپنا جال توڑ کر اُس میں کافی طور پر پیر چکا ہو۔

بھگتی کا رنگ شروع ہوتا ہے جس سے بندہ کو بندگی کا احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مالک کا خیال بندہ پر منقوش ہونے لگتا ہے۔ یار کی سختی بھی پریمی کو بھاتی ہے اور اس میں بھی ایسی لوچ محسوس ہوتی ہے اور محبت ٹپکتی ہے کہ اُس میں اُس کا جی خوش رہتا ہے۔ جو جھڑکیاں اُسکو یار کی طرف سے ملتی ہیں وہ بہت اچھی لگتی ہیں۔ اس میں بھی خوشی پیدا ہوتی ہے۔ جھڑکیوں کی اگر بھدّی شکل لی جاوے تو انکی ایک طرح کی مہیب شکل بن جاوے گی۔ اسکو لوگ مصیبت کے نام سے منسوب کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیز جو ٹھوستا کی حالت میں آئی ہے وہ بھی اس آسانی سے گوارہ ہوتی ہے کہ اُس کا گراؤ جو دل پر ہوتا ہے اک گونہ فرحت بخشنے لگتا ہے۔ جب یہ حالت پیدا ہوتی ہے تو وہ جذبہ جو اُس میں شامل ہوتا ہے اُس کو دھنیہ باد یا شکریہ کی حالت کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اُس نے اُس چیز کا کتنے اچھے طریقہ سے خیر مقدم کیا اور اب اُسی حال میں خوش ہے۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں اُس کے پریتم کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔ شعر

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریق ادب
بہ راحتے نہ رسید آنکہ زحمتے نہ کشید

اِس کا انجام خوشی ہی خوشی ہے۔ اور وہ دائرۂ خوشی میں گھسنے لگتا ہے۔ جب اِس دائرہ میں اُس کی کافی مزاولت ہو جاتی ہے تو یہ

دستے ہیں۔ اب کیا کہا جاوے کہنا بھی معدوم ہے۔ اب اگر ہم اس کے لئے
لفظ عدم استعمال کرتے ہیں تو بھی اس میں ایک طرح کا گمان یا وہم کسی
پردہ کا ہوتا ہے۔ خیر اب کیا کہیں۔ اب ایک لفظ ہست رہ جاتا ہے جس سے
ممکن ہے کہ ہم اس کا اظہار کر سکیں۔ اگر ہم اس کا خیال باندھتے ہیں تو بھی
کسی چیز کا اس کے آخیر میں گمان ہونے لگتا ہے۔ اور پھر وہی مادیت
کا احساس شروع ہو جاتا ہے۔ اگر ہم ان دونوں چیزوں کو غائب
کر کے اُس طرف خیال دوڑائیں تو بھی کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے۔ اب فرمائیے
کیا کہا جائے۔ اب کچھ نہیں ملتا جس سے اُس کو صاف کیا جا سکے۔ بس
یہی کہنا پڑتا ہے "جو ہے سو ہے"۔ اس چیز کی نقل بس یہی مان کر ہو سکتی
ہے کہ سب کچھ ہو کر آخیر میں ماننا ختم کر دیا جائے۔ یہ ابھیاس پر مبنی ہے۔
کہ وہ ست بیوہار سے اپنے آپ کو اُس طرف لے آوے۔ تھرتا کی حالت
اس کام میں مدد دے گی۔ مگر یہ تھرتا منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی ختم
ہونا چاہئے۔ تب اصلیت کا بھاس (احساس) ہو سکتا ہے اور بھاس
ہونا بھی ختم ہو جائے۔ تب ہمیں سمجھے کہ اب اس کی ابتدائی حالت پر
پہنچتے ہیں۔ ہم یہ بولنے کی عادت اس وجہ سے بناتے ہیں کہ وہ بات
جو اوپر بیان کی گئی ہے اُس سے ہم چمٹ کر ویسا ہی بیوہار کرنے لگیں
جس کے ہونے سے قدرت نے اپنے بیوہار شروع کر دئے ہیں۔ اب

شکل میں نمودار ہوئیں۔ غور کیجئے یہ کس قدر قیمتی چیزیں تھیں جو عطیہ کی شکل کہی جا سکتی ہے۔ بس اِن چیزوں پر خوش ہو کر بے اختیار ایسے الفاظ کیوں نہ نکل جاویں جس کو عام طور پر لوگ دھنیہ باد یا شکریہ کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔

خوشی اُس کی جبلیت ہو جاتی ہے اور اس کا احساس اُس کے گمان میں آنا بھی بند ہو جاتا ہے۔ ہوتے ہوتے یہ بات ایسی ہو جاتی ہے گویا اُسکی چڑک بھڑک بھی اُس دائرہ میں پیدا نہیں ہوتی۔ جب یہ حالت پیدا ہو گئی تو پھر کیا ہے۔ اُس دائرہ میں اپنا پیراؤ شروع ہو جاتا ہے جو اصل ہی اصل ہے۔ آگے چل کر تیرا کی کا گمان جاتا رہتا ہے۔ اُس کی وہ طاقت جو سہن شیلتا सहन शीलता سے پیدا ہوئی ہے اس کام میں مدد دینے لگتی ہے اور وہ اُس دائرہ میں جس کی انتہا بیان کی جا چکی ہے داخل ہو جاتا ہے اور آگے جو کچھ ہوتا ہے اُس کا ذکر کافی ہو چکا ہے۔ پریتم کو پریمی کی جھڑکیاں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اُس کو اُن سے ایک طریقہ کی گدگداہٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ منزل ہمارے یہاں ابھیاسیوں کی اکثر ہوتی ہے۔ اور لطف بھی حاصل ہوتا ہے اور وہ اُس کو پسند کرنے لگتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر لکھے ہوئے دائرہ میں وہ داخل ہو جاتا ہے۔ اب یہ چیز اُس کے کس قدر بھلائی کے لئے تھی۔ جو اس کے لئے اوپر سے آئی ہوئی تھی۔ جب اس دائرہ سے آگے بڑھتا ہے اور سکون قلبی نصیب ہونے لگتا ہے تب اُس کو احساس ہونے لگتا ہے کہ یہ سب باتیں اُس کی بھلائی کے لئے آئی ہوئی تھیں جو مصیبت اور جھڑکیوں کی

ہیں۔ سب کی نسبت اُسی اصل سے رہتی ہے۔ غیریت کا تعلق واقعی نہیں ہے۔ یہ اپنا پسارا ہے کہ یار اغیار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سب اپنی ہی خود غرضی کی حالت ہے جو سب میں پیوست ہو کر اُن سب کو غیر تصور کرا دیتی ہے۔ اِس چیز کو توڑنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ اصل برادرانہ تعلق محسوس ہونے لگے۔ یہ بھی ایک پردہ ہے جو بندہ میں حائل رہتا جیسے کنبہ بڑھنے پر اُس کے افراد دور معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح سے زمانہ گذرنے پر اپنے بھائی بندھو دور محسوس ہونے لگے۔ وہ حالت جو سب میں پیوست تھی خیال کے دائرہ سے اوجھل معلوم ہونے لگی۔ محض اُس کا ٹھوس سنا کا روپ نگاہ کے سامنے رہا۔ اسی سے ہم نے محبت شروع کردی۔ اُس چیز کی طرف سے جو اصل تھی اور سب میں موجود تھی ہم نے اپنی نگاہ ہٹا لی۔ اِس چیز کے اثر سے جو نمونہ پیدا ہوا بس وہی نگاہ کے سامنے باقی رہ گیا۔ اِس سے جو کچھ محبت ہم کر سکے کرتے رہے۔ مگر جہاں پر محبت ہوگی اُس کے اندر دشمنی کا راز بھی چھپا ہوگا۔ خیالات کی دھاریں ایسی جاگزیں ہوئیں کہ مختلف طریقوں میں انھوں نے اپنا اثر جمایا۔ کہیں پر کچھ بات پیدا ہوگئی اور کہیں پر کچھ اور نقشہ جم گیا۔ ہر چیز مختلف ہوگئی۔ انتشار پیدا ہوگیا۔ اب اِس نے ہم کو ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا۔ یہ سب شکلیں ایک طرح سے جال کا نمونہ

اصول نمبر ٦

کُل جگت کو اپنا بھائی سمجھے اور سب کے ساتھ ایسا ہی بیوہار کرے۔

کمال شرافت انسانی یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ بندگی کے دائرہ میں رہے۔ جو چیز اپنی اصل سے آئی ہوئی ہے اُس کو ایسا ہی سمجھے گویا ایک منبع سے سب رواں ہیں۔ جب یہ حالت ہے تو اُس کی شکل ایسی ہوجاتی ہے جیسے بچہ بطن مادر میں پرورش پاکر برآمد ہوتا ہے۔ جتنے بھائی اور بہنیں ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں سب کا ایک دوسرے سے یہی تعلق اور رشتہ رہتا ہے۔ اور سب اس میں بندھے ہوئے ہیں۔ اب اِس دائرہ سے جو اشیاء مختلف روپ میں برآمد ہوئے ہیں اُن کا یہی رشتہ سمجھنا چاہیئے جو اپنے بھائیوں کا ہے جو ایک ماں کے پیٹ سے برآمد ہوئے ہیں۔ اس میں جو نقطہ ہے کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ مرکز جس کے گرد حرکت ہونے سے سب کچھ برآمد ہو جاتا ہے اور سب مل ملا کر کام کرنا شروع کر دیتے

اور ہمارا معاملہ اور بھی آسان نظر آنے لگے گا۔ اِس سے ہم کو ایک گونہ اُس چیز کے حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ ہمارے کام جب یہاں کے درست ہو گئے تو اِس کا اثر وہاں بھی پڑے گا۔ عکس ڈالنے والی چیز سے میرا مطلب برہمانڈ یا عالم کُبریٰ سے ہے جہاں پر ہر چیز پہلے آتی ہے۔ اِس کے بعد اُس کا ظہور یہاں اِس دنیا میں ہوتا ہے۔ عالم کبریٰ میں چیزیں اُس سے اوپر کے حصّے سے آتی ہیں اور یہ ترتیب برابر اوپر تک چلی گئی ہے۔ لہٰذا اگر ہم آخری تہ کو درست کر لیتے ہیں تو اُس کا اثر عکس ڈالنے والی چیز پر پڑتا ہے اور وہ چیز شُدھ ہونے لگتی ہے۔ اب جس کا اثر اُس ڈالنے والی چیز پر پڑ رہا ہے اس کے شُدھ ہو جانے سے جس پر اُس کا اثر گر رہا ہے اُس کو بھی شُدھ ہونے میں ہم اس طرح سے امداد کرتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر چلا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ابتدائی تہ بھی اِس طریقہ میں شُدھ ہو جاتی ہے۔ کہیے ہمارا معاملہ کس قدر سہل سے بنتا چلا جاتا ہے۔

انفرادی شکل میں بن گئیں جس سے اُن دھاروں کو جو احساس کی شکل میں ہرجن دانس میں نمایاں ہو رہی تھیں نگاہ سے اوجھل کردیا۔ اب بھائی کو بھائی سمجھنے کی مشق کرنا گویا اُس جال کو جو فرداً فرداً بنایا گیا توڑ دینا ہے اور اِس چیز کو جو بھائی بہن کے تعلق کا احساس دلا رہا ہے اپنے قریب کر لینا ہے۔ اِسی ابھیاس سے وہ بھرات بھاؤ भ्रात भाव بھاسنے لگے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم اُس کے قریب تر دکھائی پڑیں گے۔ اِس کی مزاولت ہم کو علم حقیقی حاصل کرنے میں مدد دے گی۔ اور وہی چیز جو ہے سامنے رہ جائے گی۔ جب یہ بات بالکل سامنے رہے گی تو ضرور آپس میں میل جول سنگھٹن وغیرہ کی نوبت آجاوے گی۔ زیادہ بڑھنے پر اسی تعلق میں ہمارے بیوہار بھی ایسے ہی سرزد ہونے لگیں گے کہ ہم اُس میل لاپ کی ہوا محسوس کریں گے اور ہم کو ایک دوسرے سے تسکین اور شانتی ملتی رہے گی۔ کتنا اچھا ہو اگر ہمارے بیوہار سنبھل جاویں۔ ایک چیز تو ہمیں یوں مل گئی۔ دوسری چیز کی فکر ہے۔ وہ چیز بھی ملنا اس سے آسان ہو جاتی ہے۔ دنیا درحقیقت عقبےٰ کا عکس ہے۔ اگر ہم نے اِس عکس کو سنبھال لیا تو پھر عکس ڈالنے والی شے پر بھی اُس کا اثر پڑے گا۔ اور جب سنبھلی ہوئی چیز کا اثر اپنی عکس ڈالنے والی چیز پر پڑے گا تو اُس میں بھی شدھتا پیدا ہونے لگے گی

اس پر ذرا بھی غبار پڑ جانے سے اس کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے۔
طاقت اور قوت ہونے کی وجہ سے خود یہ ایک طرح کی زندگی اختیار
کرلیتی ہے اور اس کی نسبت کرم کے لحاظ سے ہو جاتی ہے [redacted] اس
وجہ سے کہ ہم نے اپنے آپ کو کاریہ کرنے والا سمجھ لیا ہے۔ اسی خیال
کے زور نے اُس میں نقش بنا دیئے ہیں۔ جب یہ سامان کافی طور پر
مہیا ہو چکتا ہے اور اس میں کافی بل پڑ چکتے ہیں۔ اس میں خیال کی
گرمی بھی شامل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں چیتنتا चेतनता
اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ چیتنتا चेतनता بڑھنے کی وجہ سے اُن میں
ایک طرح کا اُبال شروع ہو جاتا ہے۔ قانون قدرت ہے کہ جو چیز جہاں
سے آتی ہے اُسی جگہ پر واپس ہونے کی کوشش کرتی ہے اور اسی
طرف کو اُس کے جانے کا رجحان ہو جاتا ہے جہاں سے کہ آئی ہے۔
اب اُس چیز میں گرمی لگ لگ کر یہ حالت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ
اُس بھاری پن کو برداشت نہیں کر سکتی۔ پس لازم ہے کہ وہ اپنے
آپ کو خالی کرنے کی غرض سے اس جگہ پر جاوے جہاں سے کہ
آئی ہے۔ چھوٹی چیزوں سے جب کوئی چیز برآمد ہوتی ہے اور اُسکو
جب کافی میدان ملتا ہے تو اُس کا بھی پھیلاؤ وسیع ہو جاتا ہے۔
اب یہ پھیلاؤ جو ہوا ہے جسامت کی وجہ سے کافی زوردار ہوتا ہے۔

اصول نمبر ۷

اگر کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو اُس کا عوض لینے کا خواہاں نہ ہو بلکہ مالک کی طرف سے سمجھے اور اُس کا شکریہ ادا کرے۔

دنیا کے سب مذاہب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے اپنے کرموں کا نتیجہ ہے۔ اِس کے خلاف ایذا کسی کو پہنچ ہی نہیں سکتی۔ جب یہ بات ہے تو پھر ہم کیوں نہ سمجھ لیں کہ درحقیقت یہ اِس طرح پر ہماری بنائی ہوئی قسمت کا کرشمہ ہے۔ ہم نے اپنی قسمت خود بنائی تھی۔ وہ کیسے بنی۔ اس کا حل یہ ہے کہ جو کام ہم کسی طریقہ سے دل اور دماغ لگا کر کرتے ہیں تو ہم اس اصل چیز میں جو کہ اِن سب چیزوں کے آنے کی بنیاد ہے نقش بنا لیتے ہیں اور وہ چیز بیج روپ میں اس وقت تک موجود رہتی ہے جب تک کہ بھوگ کر ہم اسکے نقش مٹا نہ دیں۔ اُس کا بھوگنا لازمی ہے۔ قدرت کا نیم ہے کہ وہ چیز ایسی ہی صاف شفاف رکھنا چاہتی ہے جیسی کہ ابتدا میں آئی ہے۔

اس حد تک خیال نہیں پہنچتا اور نہ اِس فلسفہ پر کوئی غور کرتا ہے
اس لئے یہی کہہ دیا گیا ہے کہ اُس چیز کو اپنے مالک کی طرف سے سمجھے
تاکہ دل میں دشمنی کا خیال پیدا نہ ہونے پاوے اور شرافت سے کسی
حال میں گر نہ جاوے۔ جو چیز کہ بہتری کے لئے کسی شخص کے ذریعہ
سے آئی ہے دل بے اختیار اُس سے خوش ہو جاتا ہے بلکہ یہی حالت
شکریہ کی کہی جا سکتی ہے۔

جب جسامت پیدا ہو جاتی ہے تو اُس میں زور بھی اُسی لحاظ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آنے والی چیزیں قوت بھی شامل ہوتی ہے۔ جب یہ حال ہو گیا تو اُس کی شکل اب دوسرے قسم کی ہو جاتی ہے۔ جہاں پر جو جگہ ہے اُنھیں میں وہ سمانے کی کوشش کرتی ہے اور اُن پردوں پر اپنا اثر ڈالتی ہے جو بھوگ کے لئے مخصوص ہیں۔ بس تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ اِس چیز کو میں نے بہت مختصر بیان کیا ہے۔ ورنہ ہر خیال کی صورت جُداگانہ دکھائی جا سکتی ہے۔ ایسی شکلیں پیدا ہونے لگتی ہیں خواہ اندر پیدا ہو جائیں خواہ باہر سے اُن کو مدد ملے مطلب سب کا یہی ہوتا ہے کہ وہ چیز کسی طرح سے صاف ہو جائے۔ بیرونی مدد جو اپنے کرموں کے بھوگنے سے ملتی ہے اُس کو لوگ دوسرے کی طرف سے ایذارسانی کا خیال باندھتے ہیں اور ناواقفیت کی وجہ سے جس بیرونی چیز سے اُن کو بھوگ میں مدد ملتی ہے اپنا خیال اُس جانب سے خراب کر لیتے ہیں۔ یہ بات بالکل بیجا ہے اس لئے کہ درحقیقت اُس نے اُس چیز کو صاف کرنے میں مدد دی۔ گویا اُس نے اِک گونہ احسان کیا۔ جب یہ بات ہے تو واقعی طور پر اُسی بیرونی طاقت نے کسی کے ذریعہ جو کام کیا ہے اُس نے آپ کو صاف ہونے میں بہت مدد دی۔ دوسرے معنی میں اُس نے ایک دوست کا کام کیا ہے۔ اب چونکہ عام طور پر

اور جو اُس شُدھ حالت کا انکشاف کراتی ہے جس پر ہم کو پہنچنا ہے۔
اب جس چیز کا احساس ہوتا ہے اس کے لئے لفظ مادیت یوں استعمال
کیا گیا ہے کہ یہ چیز بہرحال وہم وگمان میں آجاتی ہے اور ممکن ہے کہ
اکثر لوگ اِس کو دھوکے سے مایاوی غلاف کہہ جاویں۔ مگر وہ اس حالت
کا صحیح ترجمہ نہ ہوگا۔ یہ وہ حالت ہے جو واقعی مایاوی پردے میں پرویش
کئے ہوئے ہے۔ اب اِس کو کھانا کھاتے وقت ہم خیال میں لاتے ہیں جس کا
اثر اُس مادّہ پر پڑتا ہے جو اُس کے نیچے ہے اور جس وقت ہم غذا کھاتے
ہیں تو جو چیز کہ اُس وقت ہمارے سامنے ہے غذا میں پرویش ہونے
لگتی ہے اور اُس کا اثر غذا میں کافی طور سے سرایت کرنے لگتا ہے۔
گویا وہ چیز جو ہم کھا رہے ہیں اُس کو بھی ہم نے اُس کے زیر اثر کر لیا
ہے جس کا اثر ہماری رگوں میں جاکر اُن میں شامل ہو جاتا ہے۔ گویا
ایک چیز جو بیرونی حالت میں بکھر رہی ہے ہم نے اُس کا کتنا اچھا
استعمال کر کے اپنا کام نکالا۔ اِس سے وہ پرمانو یا ذرّات جو جسم میں
ہیں شُدھ ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور خیال کا جھٹکا اُس
چیز میں بھی پیدا ہو جاتا ہے جو غذا میں شامل ہو کر ہماری تندرستی
روحانی اور جسمانی میں مددگار ہوتا ہے۔ پران प्राण کی طاقت
سب جگہ چھائی ہوئی ہے۔ کوئی چیز اِس سے بری نہیں ہے۔ غذا

اصول نمبر ۸

بھوجن کرنے کے وقت جو کچھ مل جاوے خوشی سے کھاوے اور ایشور کی یاد میں بھوجن کرے۔ شدھ اور پوتر کمائی کا خیال رکھے ۔

یہ ایک بہت بڑا فلسفہ ہے جس کا آغاز جسمانیت سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا وہی ہے جہاں ہم سب کو پہنچنا ہے۔ خوش رہنا ایک ایسا سماں ہے جس کا اثر اُس کے نیچے چھننا شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس سے سب چیزیں شدھ ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جسکو درحقیقت اگر ہم ذات کے بعد والی حالت کہہ لیں تو ترجمہ مناسب رہے گا۔ اس کا خیال باندھنے سے گویا ہم اُس کا خیال باندھ رہے ہیں۔ جو ہماری آخری منزل ہے۔ گویا ابتدا ہم نے اُس بڑی حالت سے کی جس کے بعد بس وہی رہ جاتا ہے۔ یہ وہ تانا بانا ہے جو قدرت نے اپنے آپ بُنا ہے۔ گویا دوسرے معنوں میں اُس کو قدرت کا مادّی حصہ ہونا کہہ سکتے ہیں۔ وہ مادّیت بھی کیسی جو برائے نام اور کہنے ماتر۔

اضافہ ہو جائے تاکہ اُس کا اثر بھی دوگنی طاقت کے ساتھ اُس پر
گرے اور اُس کی طاقت زیادہ ہو جائے۔ ہمارا آغاز پوترتا سے ہوا
ہے۔ وہ شدھ دھاریں جو ہمارے ظہور کا باعث ہوئی ہیں شُدھ
ہی مسکن سے نکلی ہیں اور انھیں کی وجہ سے ہم کو شدھتا کا خیال
پیدا ہوتا رہتا ہے۔ وہ دھاریں جو ہر جگہ موجود ہیں شدھ ہی حالت
میں ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اُن دھاروں میں اشدھتا
अशुद्धता پیدا ہوئی ہو یہاں تک کہ زمانہ بھی اُن پر اثر
نہ ڈال سکا۔ کیونکہ وہ دھاریں ایک طاقتور چیز سے برآمد ہوئی ہیں۔
پوترتا اُس میں کلیتاً دوڑی ہوئی ہے۔ وہ ذات کا بھنّاٹا جو آغازِ عالم
کا باعث ہوا ہے اُس کے فعل ہی کے اثرات ہیں جو دھاروں کی
شکل میں نمایاں ہیں اور سب پوتر ہیں اور اُن سے جو چیزیں بنی
ہیں ابتدائی حالت میں وہ بھی شدھ تھیں مگر ان بنی ہوئی چیزوں پر
زمانے کے اثرات نے اُن کو خالص حالت میں نہیں رکھا اور یہ دراصل
ہمارا ہی کرشمہ تھا جیسا کہ اصول نمبر۴ میں بیان ہو چکا ہے۔

نیچر کی کمائی ہوئی چیز کس قدر شدھ حالت میں ہے۔ اسلئے
کہ اُس کی بنیاد شدھتا سے ہوئی ہے۔ آپ کی کمائی ہوئی چیز اُسوقت
شدھ حالت میں رہ سکتی ہے جب کہ اُس کی بھی کمائی شدھتا اور

میں بھی ہے اور اُس کے باہر بھی۔ ہم اپنے خیال کا جھٹکا اُس چیز میں دینے لگتے ہیں جس سے اُس کی ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے کہ دو پتھروں کے رگڑنے سے شرارہ پیدا ہوتا ہے اور اُس کی حالت اُس طاقت سے جس کے ذریعہ شرارہ برآمد ہوا ہے مختلف اور شدھ ہے۔ اور ذات کے سمبندھ سے جو چیز کہ برآمد ہوتی ہے اُسی کے دوارہ ہم ذات کی طرف پہنچتے ہیں اس لئے کہ اُس کے بعد والی حالت میں یہ طاقت نہیں ہے کہ جو ہم کو اصل کیفیت تک پہنچا سکے۔ وہم و گمان سب اس کے پیچھے چھوٹ جاتے ہیں یہ ہمارے لئے ذات میں پہنچنے کا راستہ بنا دیتی ہے۔ اب غذا میں شدھتا کا خیال باندھنے سے اُس میں ہم نے وہ طاقت دے دی ہے جس کا شرارہ ہم کو اُس پردہ تک لے جاتا ہے جس کو ہم نے ذات کے بعد والی حالت کہا ہے۔ گویا اتنی منزل ہم اتنی آسانی سے پار کر جاتے ہیں۔

اپنے نیم میں ہم نے ایشور کی یاد میں بھوجن کرنا فرض بتایا ہے۔ ہمارے سب کام ایسے ہونا چاہئے جس سے ہمیں اپنے مقصد براری میں مدد ملے۔ اب چونکہ غذا کھاتے وقت ہم سب سے آخری چیز جس پر ہم کو پہنچنا ہے۔ خیال باندھتے ہیں اس لئے کہ ہم اُس کا بھی اثر کچھ نہ کچھ ساتھ ساتھ لے لیویں اور شدھتا میں اک گونہ اور

اصول نمبر ۹

اپنا رہن سہن اور بیوہار ایسا عمدہ بنا لے کہ جس کو دیکھنے سے لوگوں میں نیک خیالی کا احساس ہو اور لوگ اُس سے محبت کرنے لگیں۔

ہم کو طاقت اپنے خیال سے ملتی ہے۔ یہ کب۔ جب اُسی کے طریقہ میں اپنی چیزوں میں اور جو اُس کی بنائی ہوئی ہیں۔ ہم آہنگی پیدا کریں۔ لفظ بیوہار اتنا وسیع لفظ ہے کہ یہ کُل اس دائرہ کو محیط کرلیتا ہے جو ذات کے بعد نمودار ہوا ہے۔ ایشور کے بیوہار میں یکسانیت بھی ہے مگر ایک معنوں میں۔ مثلاً وہ سب کو برابر روشنی دیتا ہے۔ سب کے سانس لینے کے لئے۔ اُس نے ہوا پیدا کی ہے اور بہت سی ایسی چیزیں بنائی ہیں جو کہ زندگی کو بڑھانے والی ہیں۔ بلکہ زندگی کا انحصار انھیں پر ہے اس کو برتاوے کی یکسانیت کہتے ہیں اب دوسری چیز آتی ہے جو اُس کے پاس بن بن کر پہنچتی رہتی ہے۔ اُس کے ساتھ برتاوہ اور طرح کا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مٹی سے بنی ہوئی

پوترتا کے ساتھ ہو۔ اِس میں جو اثرات ہوں گے اپنے قریب تر پردہ پر اپنا اثر ڈالیں گے اور اِس جال کو جس کو آپ نے بُنا ہے شدھ کرنے میں مدد دیں گے۔ اس لئے مہاتماؤں نے شدھ اور پوتر کمائی پر بہت زور دیا ہے۔

جہاں پر جیسی ضرورت ہو ویسا ہی ہم بیوہار ادا کریں۔ جب اِس کام کی
ہم آہنگی قدرت سے ہو جاوے گی تو اُس میں اثر پیدا ہو جاوے گا۔
جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کا کھنچاؤ ہماری طرف ہونے لگے گا۔ اگر یہ چیز
ٹھیک طور سے ادا ہو جائے اور آپ اُسی کے مطابق اِس کا حق دوسروں
کو دینے لگیں تو اُن کی کشش از خود آپ کی طرف مبذول ہو جائے گی۔
اور اِسی کشش کو محبت کہتے ہیں۔ جب دوسروں کا حق آپ کے
مد نظر ہوگا تو دوسرے لوگ اِس طاقت کے زیر اثر ہو کر جو آپ میں
ہم آہنگی پیدا ہونے سے ہوئی ہے آپ سے بھی وہی برتاؤ رکھیں گے
جس کے آپ اہل ہیں۔

چیز جب سامنے آتی ہے تو انسان کی نظر اس پر اور طرح کی پڑنے لگتی ہے۔ مٹی سے جب ہم کھلونا بناتے ہیں تو یک گونہ ہماری رغبت بمقابلہ مٹی کے اِس سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے جب انسان بنا بنایا اُس کے سامنے پہنچتا ہے تو اُس کی نگاہ کچھ اور ہی ہو جاتی ہے۔ بس معلوم ہو گیا کہ ہم کو اپنے آپ کو ایسا بنانا چاہیئے تاکہ اُس کی نگاہ ہم پر ایسی گھومے کہ ہم اُس روشنی کو براہ راست لینے کے لئے خط استوا بن جائیں۔ یہ بیوہار قدرت کا ہے جس کی ہمیں نقل کرنا چاہیئے۔ اب روزانہ کی زندگی میں جو ہمارے سامنے ہے ہم ایسے ہی بیوہار ادا کریں جو اُس نے (ایشور نے) ہمارے ساتھ کئے ہیں اور کر رہا ہے۔

قدرتی بیوہار ظاہر کر دیئے گئے ہیں اور اُن کے اثرات بھی ہر چیز کو دیکھنے سے نمایاں ہوتے ہیں۔ مختلف رنگ مختلف چیزوں میں پائے جاتے ہیں۔ باغ میں ایک پھول کھلتا ہے اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ دوسرا پھول وہیں پر اُگتا ہے جس کا رنگ زرد یا نیلا ہوتا ہے۔ گویا قدرت اپنا جلوہ مختلف رنگوں میں دکھا رہی ہے جس کی جیسی لیاقت اور استعداد ہے اُس کو اُسی کے مطابق حصہ مل رہا ہے گویا وہ اُن کے ساتھ اِس طرح کا بیوہار اپنا روپ لئے ہوئے کر رہی ہے۔ بس یہی مثال ہم کو ہر صورت میں برتاؤں کے لئے مدنظر رکھنا چاہیئے۔

صرف اِس بات سے غرض ہے کہ اُس کا مالک اُس کی طرف کسی طریقہ میں
خیال رکھے اور نزدیکی قائم رہے۔ اب شرافت کچھ اور رُخ بدلتی ہے۔ جب
ہم نے اُس کو اپنا مالک سمجھ لیا ہے تو ہر غلطی جو سہواً ہو جائے اور اصول
کے خلاف ہو تو ہم اُس غلطی کو اُس کے سامنے خطاوار کی حیثیت میں
جیسے کا تیسا رکھ دیویں۔ ایسا کرنے سے ہماری بیچارگی ثابت ہوتی
ہے۔ اور مالک کو بھی خیال ہوتا ہے کہ بندہ نے جو غلطی کی ہے وہ واقعی
قابل معافی ہے اس لئے بیچارگی کا خیال بندہ کے دل میں موجود ہے
تب تو اُس نے اِس چیز کو مالک کے سامنے پیش کیا ہے اس
عہد میں وہ لوچ اور نرمی ہے جس کا ترجمہ الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا۔
اِس لوچ کا نقشہ ایک اور پھرتا ہے اور وہ بیچارگی کا یقین دلاتا ہے۔
اِس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ چیزیں جو اُس میں حائل تھیں
اُن کو اب اُٹھا دیا ہے۔ وہ وزن جو اُس پر موجود تھا اب ہٹ گیا
ہے اور اُس کی صورت اب بالکل خلوص کی رہ گئی ہے جو نیچر کی اُس
دھارا سے ملتی جلتی ہے جس پر کر مل मल وکشیپ विक्षेप
اور آورن आवरण کے خلاف نہیں ہیں۔ گویا اُس چیز کو ہم
خالص صورت میں رشتۂ بندگی جوڑ کر لائے ہیں۔ اب یہ چیز سادگی
کا احساس دلاتی ہے جو واقعی قدرت کی جان ہے۔ بڑھتے بڑھتے

اصول نمبر ۱۰

اگر کوئی اپرادھ بھول سے ہو جاوے تو سوتے سمے ایشور کو اپنے سنمکھ سمجھ کر اُس سے دینتا کی حالت میں چھما مانگے اور پشچاتاپ کرے۔ اور اس کے لئے پرارتھنا اور کوشش کرے کہ آئندہ کوئی اپرادھ نہ ہونے پائے۔

کمال انسانی اِس میں ہے کہ مالک کو اپنا مالک اور اپنے آپ کو اُس کا بندہ سمجھے اور بندگی ادا کرتا رہے۔ ایسا کرنے سے گویا آپ نے اپنے میں نفی کی حالت قائم کر لی۔ اور جس کی وجہ سے اُس کی نگاہ آپ پر سیدھی پڑ رہی ہے۔ گویا مالک کی نظر آپ پر کافی طور پر مبذول ہے۔ اور آپ نے اُس سے ایک قسم کا سمبندھ جوڑ لیا ہے۔ جب یہ حالت ہے کہ تو ہم کو لازم آتا ہے کہ ہم اپنا حق ایسے ہی طریقہ میں ادا کرتے رہیں۔ اور اِس بات کو یعنی اُس رشتہ کو برابر قائم رکھیں۔ تاکہ مالک کی عظمت ہم پر منقوش ہوتی رہے اور اُسکی نگاہ ہمیشہ ہم پر سیدھی پڑتی رہے۔ بندے کو

ہے تو وہ غلطی واقعی غلطی نہیں رہی اس لئے کہ اس حالت نے اس کو
قطعی طور پر دھو دیا ہے۔ اب ایک حصّہ بندگی کا یہ آتا ہے کہ ہم آئندہ
کے لئے اپنے آپ کو ایسا ہوشیار کریں کہ پھر غلطی نہ ہونے پاوے
اور اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم بار بار اس مالک کی درگاہ میں
رجوع ہوں کہ ہم کو استغنا کی حالت عطا فرمائے کہ یہ ارادہ دوبارہ
نہ ہو۔ چونکہ ہم بندہ کی حیثیت سے اس دائرہ میں شامل ہوئے ہیں
لہٰذا ہم پر یہ لازم آجاتا ہے کہ ہم ویسے ہی فرائض ادا کریں اور اس
بات کی کوشش کریں اور خیال رکھیں کہ اس بات سے ہم دور رہیں
جسکی جھلک قانون قدرت میں مخالفت ہے۔ یہ بات اس وقت اچھی طرح
ہوگی جبکہ جو فاصلہ کہ ہم بندہ اور آقا کے درمیان قائم کئے ہوئے ہیں
اس کو نزدیک تر کرلیں۔ اس وجہ سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ
اس کی موجودگی اپنے خیال کے پردے کے سامنے لے آدیں۔
سوتے وقت اس کا کرنا یوں اچھا سمجھا گیا ہے کہ اس وقت
ہم اپنے سب جھنجھٹوں سے فراغت پائے ہوتے ہیں اور
سوائے آرام کرنے کے ہم کو کوئی کام کرنا باقی نہیں رہ جاتا ہے
گویا صرف ایک نقطہ سونے اور آرام کرنے کا انسان کے سامنے
رہتا ہے اور ہر کام سے اپنے آپ کو فارغ پاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ

یہ حالت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ اُسی چیز میں ہم اپنے آپ کو پلٹتے ہوئے محسوس کرتے ہیں گویا ہمہ تن ہماری وہی کیفیت ہو جاتی ہے جس کو کہ ہمیں حاصل کرنا ہے۔ غلطیاں جس سے کہ بندہ کبھی بری نہیں ہو سکتا اس دائرہ میں آکر ایسی رہ جاتی ہیں گویا وہ چیز خود اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ اِس رشتے کے جوڑنے سے پہلے ممکن ہے کہ بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوں اور پھر یہ کم ہوتی چلیں یہاں تک کہ اُن کی شکلیں مٹنے لگیں۔ یا یوں کہیئے کہ ہم نے اپنی قوت ارادی کا جھٹکا اس میں کافی طور پر لگا دیا ہے اور اس کی شکل ایک طرح کی پشچاتاپ کی بن گئی ہے۔ پشچاتاپ اور کچھ نہیں ہے بلکہ یہ کھٹک ہے جو اُس لہر میں پیدا ہو جاتی ہے اور اِس کو اوپر سے یکسانیت قائم رکھنے کے لئے ایک لہر دوڑنے لگتی ہے۔ گویا اس چیز کو جس کو میں نے کھٹک کے نام سے منسوب کیا ہے دوسری چیز آکر اسس کو صاف کر دیتی ہے۔ یہ پشچاتاپ کی صورت ہے۔

جس حالت کو میں نے بیچارگی کہا ہے اُس حالت کو پیدا کرلینا دینتا کی حالت کہلاتی ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ جس کے حصہ میں آگئی اُس نے واقعی سب کچھ پا لیا ہے۔ اس میں معصومیت کی حالت موجود ہے گو وہ بادی النظر میں ایسی معلوم نہ ہووے۔ جب یہ بات

وہ اپنے آپ کو کسی حد تک آزاد پاتا ہے۔ یہ آزادی بھی قدرت کی ایک استغنا کی حالت کہی جاتی ہے۔ گویا دوسرے معنوں میں آپ قدرت کے کسی حصّہ سے ہم آہنگی اختیار کئے ہوئے ہیں اس لئے اُس وقت ہم کو اِس کام کے کرنے کی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت پر دُعا میں زیادہ اثر ہوتا ہے اور ہر کام جو اُس کے مطابق کئے جاتے ہیں ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ اِس وقت سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور جو کام کہ اِس وقت کے لئے ہے اُس کو ضرور کرنا چاہئے۔

موڈسٹ پرنٹنگ ورکس الہ آباد